

حکیم الامت

تالیف: حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی الشیخ

خلیفہ مجاہد عالم الاسلام مولانا اشرف علی تھانوی

اس کتاب کا ایک ایک فقرہ علوم لدنی کا بیش بہا خزانہ ہے جسے خاص طور پر اہل علم اور
ساکان طیق کیلئے علم و معرفت کمنے دانے رکھو گیا ہے (حضرت مولانا فتح محمد عارفی صاحب مدظلہ العالی)

PDFBOOKSFREE.PK

اشاعت: دار الفکر والعلوم کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئین کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالب دُعا سعید خان



PAKISTAN VIRTUAUL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk

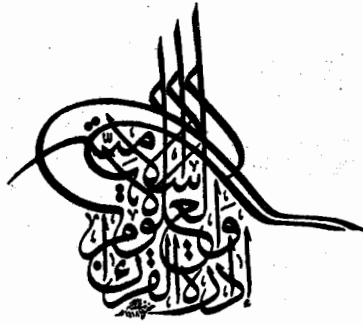
جوہرِ حکیم مت

تالیف: حضرت ڈاکٹر عبدالحی حبیب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاہد حکیم المت جیسٹ مرزا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

اس کتاب کا ایک ایک فقر و علوم لدنی کا بیش بہا خزانہ ہے جو خاص طور پر اہل علم اور
سائنس دانوں کے لیے علم و معرفت کھنڈے دوانے کا کوئی ہے (حضرت مفتی عثمان مسعودی رحمہ)

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكُونَا لَهُ شَاكِرِينَ إِلَّا يَهْدِيََنَا رَبُّنَا لِلْأَمْرِ السَّامِعِ



طبع اول جولائی ۱۹۹۸ء
باہتمام نعیم اشرف نور عفا اللہ عنہ
کمپوزنگ ادارۃ القرآن کراچی
طباعت ادارۃ القرآن کراچی

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

۴۳۷/ڈی گارڈن ایسٹ نزد سبیلہ چوک کراچی ۵

فون: ۲۱۶۳۸۸۸ / فیکس / فون: ۲۲۳۲۸۸۸

E.Mail: quran@biruni.erum.com.pk

☆☆☆ دیگر ملنے کے پتے ☆☆☆

- | | |
|---|--|
| ☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی | ☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی |
| ☆ مکتبہ دارالعلوم کراچی | ☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی |
| ☆ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی | ☆ صدیقی ٹرسٹ المنظر سبیلہ کراچی |
| ☆ بیت العلوم ناٹھ روڈ لاہور | ☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور |
| ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور | ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور |
| ☆ مکتبہ رحمانیہ جنگی محلہ قصہ خوانی پشاور | ☆ یونیورسٹی بک ایجنسی قصہ خوانی پشاور |
| ☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ | ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار اولپنڈی |



فہرست مضامین

۹ تقریظ۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی	(۱)
۱۳ تصوف	(۲)
۱۳ طریقت اور اسکے لوازمات	(۳)
۱۳ تفسیر شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت	(۴)
۱۴ مراتب فرض و مستحب	(۵)
۱۵ تصوف کا اصل مقصد	(۶)
۱۵ تصوف رسومات کا نام نہیں	(۷)
	طریق سلوک عوام اور خواص دونوں کیلئے ہے اور اس کا بیان کہ مسلمان دنیا دار	(۸)
۱۶ نہیں ہوتا۔	
۱۷ حکایت	(۹)
۱۷ طریقت میں طلب مقصود ہے	(۱۰)
۱۹ طلب کا درجہ عالیہ	(۱۱)
۲۰ بیعت کی حقیقت	(۱۲)
۲۱ بیعت کی بقاء و زوال	(۱۳)
۲۲ صحبت شیخ	(۱۴)
۲۲ تصور شیخ	(۱۵)
۲۲ فیض پیر	(۱۶)
۲۳ تحقیق اختلاف مسالک اولیاء	(۱۷)

- (۱۸) انبیاء و خواص پر ابتلاء نعمت و مصیبت کا اثر ۲۴
- (۱۹) اہل اللہ کی حیات برزخ ۳۲
- (۲۰) اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں ۳۲
- (۲۱) استقامت کا مفہوم ۳۵
- (۲۲) رسالہ التحفیف فی الاختیار الضعیف ۳۸
- (۲۳) اختیاری و غیر اختیاری پریشانی ۴۳
- (۲۴) مفاسد اہتمام امور غیر اختیاریہ ۴۶
- (۲۵) ترک تعلق کا اہتمام ۴۸
- (۲۶) تحقیق تو ہم حجاب بہ بعض طاعات ۴۹
- (۲۷) عالم تعلقات (جلوت و خلوت) ۵۰
- (۲۸) خلوت و جلوت میں قول فیصل ۵۶
- (۲۹) معنی ذکر و فکر و تصور شیخ و رابطہ و فنا و ثمرات آہنہا ۵۷
- (۳۰) بدیعہ ترجیح استفادہ از شیخ زندہ بر اہل قبور ۶۰
- (۳۱) لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق ۶۱
- (۳۲) امور آخرت کا مراقبہ ۶۴
- (۳۳) خشیت کے درجات ۶۴
- (۳۴) توجہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے ۶۸
- (۳۵) ذکر اور اس کے متعلقات ۶۸
- (۳۶) مصائب کی علل سمجھنے میں اسباب پرستوں کی کوتاہ نظری ۷۶
- (۳۷) بدیعہ توضیح حقیقت خلق و فعل مع قطع شبہات متعلق تقدیر ۷۸
- (۳۸) طریقت حقیقت تہذیب اخلاق ۷۹
- (۳۹) انوار والوں کا مکشوف ہونا ۸۸
- (۴۰) تجلی رحمانی اور شیطانی کی پہچان ۹۰
- (۴۱) انوار و کشف قابل التفات نہیں ۹۰
- (۴۲) عدم مطلوبیت لذت و ذوق و فرق مابین حال و مقام ۹۱

۹۲ لذت مطلوب نہیں	(۴۳)
۹۲ عدم مطلوبیت لذت و ذوق	(۴۴)
۹۳ فصل۔ تحقیق حالت قبض	(۴۵)
۹۷ حقیقت نفس	(۴۶)
۱۰۰ علاج بعض اقسام قبض	(۴۷)
۱۰۲ موذی مرض اور اس کا علاج	(۴۸)
۱۰۹ بدیہ رفع اشکال از آیت ربنا آتانا فی الدنیا حسنة	(۴۹)
۱۱۳ مقالات حکمت	(۵۰)
۱۱۳ وساوس کفریہ	(۵۱)
۱۱۳ حوادث سے ایمان بڑھ جاتا ہے	(۵۲)
۱۱۴ درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ سیدنا بڑھانا	(۵۳)
۱۱۴ شیخ طریقت کا ولی ہونا ضروری نہیں لیکن اگر شیخ ولی یعنی متقی ہو گا تو اسکی تعلیم	(۵۴)
۱۱۵ میں برکت ہوگی	(۵۵)
۱۱۶ ملکات نفسانی یا جلیات جبلی ہوتے ہیں۔ انکا ازالہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے	(۵۵)
۱۱۶ انسان اسکا مکلف نہیں	(۵۶)
۱۱۸ غصہ کا ہر درجہ مذموم نہیں	(۵۷)
۱۱۸ ولی کی پہچان	(۵۷)
۱۱۹ شیخ کامل کی پہچان	(۵۸)
۱۱۹ اہل حق اور اہل ناحق کے تصرفات میں فرق	(۵۹)
۱۲۲ بدیہ غلطی در معنی آیت واذا قاموا الی الصلوة قاموا کسالى	(۶۰)
۱۳۲ لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ	(۶۱)
۱۲۵ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کی تفسیر بذریعہ کشف	(۶۲)
۱۳۱ خشوع کے حاصل کرنے کا طریقہ	(۶۳)
۱۳۶ نماز خشوع و خضوع سے ہونی چاہئے	(۶۴)
۱۳۸ ذاکر اور اس کے تعلقات	(۶۵)

۱۳۳	(۶۶)	محبت کا مفہوم اور اقسام
۱۳۷	(۶۷)	اعمال اور احوال کا فرق
۱۳۹	(۶۸)	تفویض کا مفہوم
۱۵۱	(۶۹)	ابن الوقت اور ابو الوقت کا مفہوم
۱۵۵	(۷۰)	حقیقت توکل
۱۵۶	(۷۱)	خلاصہ توکل
۱۵۷	(۷۲)	روزی کا مدار محض تدبیر پر نہیں ہے
۱۵۸	(۷۳)	تدبیر و اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں ہے
۱۶۰	(۷۴)	اسباب کے اندر نہمک ہونا سبب ہے ترک دعا کا
۱۶۱	(۷۵)	فیصلہ متعلقہ کسب و توکل
۱۶۲	(۷۶)	اخلاق حمیدہ کا بیان
۱۶۲	(۷۷)	امراض روحانی کا علاج
۱۶۳	(۷۸)	صاحب تکوین ایک خاص منصب ہے
۱۶۳	(۷۹)	مجاہدہ مطلقاً مخالف نفس کا نام نہیں
۱۶۵	(۸۰)	حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں
۱۶۶	(۸۱)	محبت کے آثار مختلف ہوتے ہیں
۱۶۷	(۸۲)	مشائخ کو چاہئے کہ وہ غیبت نہ سنیں
۱۶۸	(۸۳)	ذکر موت سے مقصود معاصی سے رکنا ہے
۱۶۸	(۸۴)	رضا بالقضاء کی حقیقت اور اسکے تحصیل کا طریقہ
۱۶۹	(۸۵)	یہ اعتقاد کہ میرے پاس کچھ عمل نہیں یہ بھی عمل ہے
۱۶۹	(۸۶)	قبض کے بعض اسباب
۱۷۰	(۸۷)	خط اعمال کا خوف علامت ایمان ہے
۱۷۰	(۸۸)	دنیاوی پریشانی کا علاج
۱۷۱	(۸۹)	قلبی سوزش کا علاج
۱۷۲	(۹۰)	تحقیق فضیلت حب عقلی بر عشق

- (۹۱) معالجہ عشق مجازی ۱۷۳
- (۹۲) انسان کی مصیبت کا راز ۱۷۴
- (۹۳) مصیبت کی حقیقت ۱۷۴
- (۹۴) مصیبت کے فوائد اور خاصیتیں ۱۷۶
- (۹۵) تکبر قول حق سے بڑا مانع ہے ۱۷۶
- (۹۶) حکایت ۱۷۸
- (۹۷) ظاہری انتقام باطنی انتقام کے تابع ہے ۱۸۰
- (۹۸) بغض فی اللہ ۱۸۱
- (۹۹) بعض لوگ عوام کے اعتقاد سے مغرور ہو کر گناہوں سے اور بھی بے فکر ہو جاتے ہیں ۱۸۲
- (۱۰۰) گناہ پر فوری مواخذہ نہ ہونے سے بے فکر نہ ہو ۱۸۳
- (۱۰۱) رفع اشکال بر حدیث واجعلنی فی اعین الناس کبیرا ۱۸۴
- (۱۰۲) اجتماع تواضع و بغض فی اللہ ۱۸۵
- (۱۰۳) بدنگاہی کے مرض میں بعض پیر بھی مبتلا ہیں اور عورتوں کو پیر سے پردہ کر نیکی ضرورت ۱۸۶
- (۱۰۴) عورتوں کے لئے اغیار کے ساتھ بدخلقی (یعنی خشک مزاجی) صفت حمیدہ ہے .. ۱۸۷
- (۱۰۵) پردہ کے متعلق عورتوں اور مردوں کی بے احتیاطیاں اور زینت کے متعلق عورتوں کا بے عمل برتاؤ ۱۸۷
- (۱۰۶) مرد چاہے کیسا ہی بزرگ اور کتنا ہی بوڑھا ہو جاوے عورتوں کو اس سے پردہ واجب ہے ۱۸۸
- (۱۰۷) دوسروں کی حالت دیکھ کر عبرت حاصل کرنا چاہئے ۱۸۹
- (۱۰۸) توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے مع ایک مثال کے ۱۹۰
- (۱۰۹) معاصی خواہ کبار ہوں یا صغائر سب ہی سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اصل حقیقت کے اعتبار سے ہر گناہ کبیرہ ہی ہے ۱۹۱
- (۱۱۰) بری نظر اور بری نیت کا مرض آجکل عام ہو رہا ہے ۱۹۲

- (۱۱۱) معصیت بھی مرض ہے ۱۹۳
- (۱۱۲) معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا اور اس کا بیان کہ موت تمام تکلیفوں سے ۱۹۳
- چھڑا دیتی ہے ۱۹۳
- (۱۱۳) بد نگاہی میں عام اجتلاء اور اس کا علاج ۱۹۳
- (۱۱۴) بد نگاہی پر کبھی دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے ۱۹۴
- (۱۱۵) اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتے ہوئے غیر پر نظر نا ممکن ہے ۱۹۶
- (۱۱۶) معصیت کے تقاضہ کا نہایت مفید علاج ۱۹۷
- (۱۱۷) بد نگاہی بہت سخت گناہ ہے ۲۰۴
- (۱۱۸) مصیبت کے وقت بجائے استغفار کے خرافات بکنے کی مذمت ۲۰۴
- (۱۱۹) گناہوں سے غفلت سخت مرض ہے ۲۰۵
- (۱۲۰) علاج گناہ ۲۰۶
- (۱۲۱) توبہ۔ اصلاح حال ۲۰۶
- (۱۲۲) تحقیق معنی اشرف النفس ۲۰۷
- (۱۲۳) دین دار کو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والے پر غیظ و غضب کا ہونا لازم ہے اور یہ ۲۰۸
- حمیت دین ہے نہ کہ تعصب ۲۰۸
- (۱۲۴) جو لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے متبع ہیں وہ جنت میں آپ کے ساتھ رہیں ۲۰۹
- گے ۲۰۹
- (۱۲۵) مرنے والوں اور مصیبت زدوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ۲۱۳
- (۱۲۶) خالق اسباب کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے مصائب میں پریشانی نہیں ہوتی .. ۲۱۵
- (۱۲۷) تعلیمات ابتدائیہ برائے سالک بہ تعمیل ارشاد حضرت حاجی محمد امداد اللہ صاحب ۲۱۷
- مہاجر مدنیؒ (ذکر، شغل، مراقبہ، علاج خطرات) ۲۱۷
- (۱۲۸) خلاصہ راہ سلوک ۲۱۸
- (۱۲۹) انگریزی دانوں کے لئے ۲۲۶



تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی
نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم،
وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.
أما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ
تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے کی تشریح و توضیح اور اصلاح و ارشاد کا جو عظیم کام لیا،
اسکی نظیر صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔ خاص طور پر تصوف و احسان جو جہالت اور
خود غرضی کے ہاتھوں ایک بھول بھلیاں میں تبدیل ہو چکا تھا، اور اس کے مقدس
نام پر بدعات و خرافات کا ایک سیلاب دین کا حصہ سمجھا جانے لگا تھا، اسکو جس
طرح صاف کر کے قرآن و سنت کی صراطِ مستقیم کے ایک دلکش حصے کی حیثیت
میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے پیش فرمایا، وہ حضرت ہی کا حصہ تھا۔
حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف، مقالات، مواعظ اور ملفوظات

کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ آج ہم جیسے ضعیف الہمۃ لوگوں کیلئے اس پورے ذخیرے کا پڑھ لینا ہی مشکل ہے۔ چونکہ حضرتؒ کی خصوصی تحقیقات اور الہامی مضامین کے شہ پارے اس پورے ذخیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں، اسلئے ہم جیسے کمزور اپنی بے ہمتی کی وجہ سے بسا اوقات اُن سے مستفید نہیں ہو پاتے۔

احقر کے شیخ و مربی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آخری دور میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے علوم و فیوض کو عام کرنے کا ایک جذبہ بیتاب عطا فرمایا تھا۔ اُن کی خواہش تھی کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خاص خاص افادات جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں یکجا جمع کر کے مختلف گلدستے تیار کئے جائیں، اور حضرتؒ نے یہ کام بہ نفس نفیس شروع فرمادیا تھا۔ سب سے پہلے حضرتؒ نے مآثر حکیم الامتؒ کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی جو حضرت حکیم الامتؒ کے خصوصی مزاج و مذاق کی دلنشین تشریح ہے، اور حضرتؒ کے بہت سے اُن افادات پر مشتمل ہے جو ہر عام و خاص شخص کیلئے فائدہ مند ہیں۔ پھر حضرتؒ نے ”بصائر حکیم الامتؒ“ تحریر فرمائی جس میں تصوف کے بنیادی مسائل کو فنی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کیلئے حضرت حکیم الامتؒ کی مختلف کتابوں سے اُن کے افادات اس طرح جمع فرمائے کہ وہ تصوف کی ایک مرتب فنی کتاب بن گئی۔ اسی دوران حضرت حکیم الامتؒ کی تالیفات سے حضرتؒ نے جو خوشہ چینی فرمائی تھی۔ اس میں بہت سے مضامین ایسے تھے جو ”بصائر حکیم الامتؒ“ میں نہ آ سکے تھے، مگر اعلیٰ قدر و قیمت کے حامل تھے، انہیں حضرتؒ نے ”معارف حکیم الامتؒ“ کے نام سے مرتب کر کے شائع فرمایا۔

اس کے بعد بھی حضرتؒ کے انتخاب کا سلسلہ جاری رہا، اور آپ نے ایک اور کتاب کا مواد بھی جمع فرمایا جس کیلئے حضرتؒ کے ذہن میں ”جواہر حکیم الامتؒ“ یا ”نوادیر حکیم الامتؒ“ کا عنوان تھا۔ لیکن ابھی یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی تھی کہ حضرتؒ کا وقتِ موعود آ پہنچا۔

فصلِ گل سیر نہ دیدیم و بہارِ آخر شد

حضرت والا کی وفات کے بعد اُن کے گرامی قدر صاحبزادے جناب احسن عباس صاحب مدظلہم العالی نے حضرتؒ کے مسودات سے یہ مجموعہ تلاش کر کے اسکی اشاعت کا ارادہ فرمایا۔ اور اب یہ مجموعہ ”ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ“ سے شائع ہو رہا ہے۔

احقر نے بفضلہ تعالیٰ موجودہ مجموعے کے ایک بڑے حصے کا مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اور احقر کا احساس یہ ہے کہ اس کا ایک ایک فقرہ علوم لدنی کا بیش بہا خزانہ ہے جو خاص طور پر اہل علم اور سالکانِ طریق کیلئے علم و معرفت کے نئے دروازے کھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے کما حقہ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے، اور اسکے مرتب و ناشر کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۱ / ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

والسلام
محمد تقی عثمانی
دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

تصوف

طریقت اور اسکے لوازمات

(۱) تفسیر شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت

سوال : ایک مختصر مضمون میں شریعت اور طریقت اور معرفت اور حقیقت کی حقیقت اور ان کا باہمی تعلق لکھ کر مرحمت فرمائیے؟

جواب : شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مرادف سمجھتے تھے جیسے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔ معرفۃ النفس مالہا وما علیہا۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزء متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزء متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہو گیا ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں پھر ان اعمال باطن کی درستی سے قلب میں جو جلاء و صفاء پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کو نبیہ متعلقہ اعیان و اعراض بالخصوص اعمال حسنہ و سینہ و حقائق الہیہ صفاتیہ و فعلیہ بالخصوص معاملات فیما بین اللہ و بین العبد منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں اور اس صاحب انکشاف کو محقق و عارف کہتے ہیں پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔ اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزء متعلق باحکام ظاہرہ کو کہنے لگے ہیں یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشا بھی صحیح نہیں کہ وہ اعتقاد بتانی ہے ظاہر اور باطن میں۔ واللہ اعلم (المنکشف ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ)

(۲) مراتب فرض و مستحب تصفیہ نفس و قلب

ریا و عجب و دیگر اخلاق ذمہ مثل شہوت و غضب و غیرہ کے دفع کرنے کے دو درجے ہیں۔

اول یہ کہ اپنے اختیار سے ان کا قصد نہ کرے اور جو پیش آوے اس کو برا سمجھے اور اس کے مقتضائے موافق عمل نہ کرے گو خطرات و وساوس کا ہجوم رہے۔ یہ مرتبہ اختیاری اور فرض ہے اور خطرات کا ہجوم غیر اختیاری ہے کچھ مضر نہیں۔

دو سرا درجہ یہ کہ ان اخلاق کی بنیاد ہی کا استیصال ہو جاوے یعنی نفس میں ان کا تقاضا اور میلان بھی نہ رہے اور یہ ایسے ہی مبغوض ہو جاوے جیسے گندگی طبعاً مبغوض و مستقذر ہوتی ہے اسکی تحصیل مستحب ہے اور موجب کمال اور عادتاً موقوف ہے مجاہدہ و ریاضت اور خلوت طویلہ پر اور یہی دو مرتبے ہیں حضور قلب کے نماز میں اول یہ کہ نماز یا کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کے کوئی غیر اللہ قلب میں حاضر نہ ہو یعنی عبادت سے مقصود کسی مخلوق کی رضا یا اس سے مال و جاہ کا حاصل کرنا نہ ہو یہ حضور قلب فرض ہے اور بدوں اس کے نماز قبول نہیں ہوتی اور عذاب ریا کا مستحق ہوتا ہے۔ دو سرا مرتبہ یہ کہ نماز میں بجز خدائے تعالیٰ کے قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہو۔ پھر اس میں بھی دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ باختیار خود کسی غیر کا خیال قلب میں نہ لاوے اس کو خشوع کہتے ہیں اور آیات اور احادیث سے یہ بھی موکد معلوم ہوتا ہے گو درجہ فرض میں نہ ہو دو سرا مرتبہ یہ کہ بلا قصد بھی کسی کا خیال نہ آوے یہ بدوں فناء نفس و قلب کے نصیب نہیں ہوتا اور اس کی تحصیل مستحب ہے۔

تصوف کا اصل مقصد

یاد رکھو تصوف سے اصل مقصود یہ ہے کہ اعمال شرعیہ یعنی طاعات واجبہ و مستحبہ کا بجالانا اور معاصی سے اجتناب کرنا۔ یہ بندہ کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔ پس یہ وہ چیز ہے جس سے قرب و رضاء حق حاصل ہوتی ہے۔ کیفیات و کشفیات کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اگر ایک شخص ادائے طاعات و اجتناب عن المعاصی میں پختہ ہو۔ وہ کامل صوفی ہے۔ گو کیفیات کچھ بھی اس پر وارد نہ ہوتی ہوں۔ اور جس پر کیفیات بکثرت وارد ہوتی ہوں کشف و تصرف میں بھی ملکہ رکھتا ہو مگر ادا و مرواۃ ہی میں پختگی حاصل نہ ہو وہ صوفی نہیں۔ خوب سمجھ لو۔ بس یہ معیار ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ (تہذیب الطعام ص ۱۲)

تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے اور مقامات یہی ملکات ہیں۔ اخلاص و رضاء و تواضع وغیرہ ان کو حاصل کرو۔ اور ان کی اضراد ریا و کبر و اعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ۔ بس صوفی ہو گئے۔

(ارضاء الحق حصہ دوم ص ۶۸)

(۳) تصوف رسومات کا نام نہیں

فرمایا کہ تصوف کا لوگوں نے ناس کر دیا۔ رسوم کا نام تصوف رہ گیا۔ عوام تو بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کا یہی تصوف ہے۔ اور خواص میں جو غیر محقق ہیں وہ اور اد پڑھ لینے، رات کو جاگنے اور حرارت و اردات ذوق و شوق ہونے کو بس تصوف سمجھنے لگتے ہیں اور یہ گمان عام ہو گیا تھا کہ حدیثوں میں تصوف نہیں ہے بس صوفیوں ہی کے کلام میں ہے۔ تصوف تو اتنا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی حدیث اس سے خالی نہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں ہے ہی

نہیں۔

دہلی میں حقیقتہً الطریق میرا رسالہ ایک غیر مقلد نے زمانہ تالیف میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر کہا کہ یہ کس شخص کا ہے۔ ایک دوست نے میرا نام بتایا پھر ان غیر مقلد نے کہا کہ ان کو لکھ دینا کہ اس میں اختصار نہ کہیں خوب لکھیں۔ اس رسالہ میں ایک مقام پر بیعت طریقت کا حدیث سے اثبات ہے۔ ایک صاحب جن کو عدم تقلید کی طرف میلان تھا کہنے لگے ہم تو بیعت کو بدعت سمجھتے تھے میں نے کہا کہ دیکھ لو جس حدیث سے اثبات ہے وہ میری گھڑی ہوئی تو ہے نہیں۔ دلالت کو دیکھ لو۔ پھر وہ مجھ سے بیعت ہوئے اور غیر مقلدی چھوڑ دی۔ (الرقی وجہ دوم)

(۴) طریق سلوک عوام اور خواص دونوں کیلئے ہے

اور اس کا بیان کہ مسلمان دنیا دار نہیں ہوتا

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ طریق سلوک خواص کے لئے ہے ہم دنیا داروں کے لئے نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ سرے سے یہ تقسیم ہی صحیح نہیں کہ دنیا داروں کے لئے اور احکام اور دینداروں کیلئے اور احکام کیونکہ مسلمان ہونیکی حیثیت سے سب برابر ہیں اور احکام شرعی سب کے ساتھ یکساں متعلق ہیں۔ بلکہ حقیقت میں مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں کیونکہ دنیا داری حقیقت میں یہ ہے کہ حرام و حلال میں کچھ امتیاز نہ رہے جس طرح سے بنے مال حاصل کرنے کو مقصود سمجھے۔ اگر کہیں دونوں غرضیں دین و دنیا کی جمع ہو جائیں تو دنیوی غرض کو مقدم رکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ دین سے ہم کو کوئی غرض نہیں نکلے شریعت کے احکام اس قدر دشوار ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو دنیا کی زندگی مشکل ہے سو ظاہر ہے کہ اسلام کے ساتھ ان خیالات کی گنجائش کہاں ہے نہ اس سے تو باری تعالیٰ کی نکتہ۔ سب کی نوبت پہنچتی ہے۔ ۛ یرید اللہ بکم

اليسر ولا يريديكم العسر ﴿١﴾ ولا يكلف الله نفسا الا وسعها ﴿٢﴾

حکایت :

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں ان کے گھر روشن دان دیکھا۔ پوچھا یہ کیوں رکھا ہے اس نے جواب دیا۔ روشنی کے واسطے انہوں نے فرمایا کہ روشنی تو بدون نیت روشنی کے بھی آتی اگر اس کے رکھنے میں یہ نیت کر لیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اس کا ثواب بھی ملتا رہتا اور روشنی تو خود آہی جاتی۔

پس ایسی دنیا منافی دین نہیں پس ایسا دنیا دار بھی دیندار ہی ہے دنیا دار کوئی مسلمان نہیں۔ تو سب مسلمان دیندار ہی ہوئے اور دو قسمیں بن کر کوئی فرق نہیں ہوا۔ یہ دیندار دنیا دار کا فرق بوجہ جمل بالا حکام کے ہم نے تراش لیا ہے اور جب فرق نہ ہوا تو کیا وجہ ہے کہ دستور العمل الگ الگ رکھا جائے یہ بات جدا رہی کہ حالت عذر و ضرورت میں کسی کے لئے کچھ تخفیف کر دی جائے سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل ہر ایک کے واسطے الگ الگ تجویز کیا جائے دستور العمل تو ایک ہی رہے گا۔ مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ (الرقص حصہ دوم)

(۵) طریقت میں طلب مقصود ہے

آدمی کو چاہئے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کئے جائے اور حصول مقصود میں تعیل نہ کرے۔ ہاں پہلے یہ تحقیق کر لے کہ میں رستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ رستہ پر چل رہا ہوں۔ تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے کبھی نہ کبھی مقصود تک پہنچ ہی جائے گا۔ اور اگر راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے اور

راستہ پر پڑ جانے کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصول جلدی ہی ہو جاوے۔ اگر دنیا میں بھی وصول نہ ہوا تو انشاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل ہو جاوے گی۔ ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں لگا رہے دوام طلب کو ہاتھ سے نہ دے اور اگر کبھی کبھی معمول نانہ ہو جاتا ہو تو اس سے بھی نہ گھبرائے بلکہ نانہ کے بعد پھر کام میں لگ جائے۔ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ کبھی کبھی نانہ ہو جانے کو دوام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اس وقت سے دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے خالی گزر جاتے ہیں۔ یہ بھی تو نانہ ہے۔ مگر پھر بھی اس کو دوام کہا جاتا ہے۔ تو اسی طرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے کہ درمیان میں بجائے گھنٹوں کے ایام کا نانہ ہو جائے مولانا فرماتے ہیں۔

دوست دارد دوست ایس آشفگی کوشش بیودہ بہ از خفگی

بس بالکل نہ ہونے سے نانہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے۔ پس جس طرح ہو سکے طلب کو نہ چھوڑو انشاء اللہ کسی وقت کامیاب ہو جاؤ گے۔

اندریں رہ می تراش وی خراش تادم آخر دم فارغ مباش

تادم آخر دے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

وصول جب ہوتا ہے دفعۃً ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے اس طرح نکلتا ہے۔ جو سالک کو واصل کر دیتا ہے۔ اس لئے جتنا ہو سکے اس کو بیکار نہ سمجھو۔ چاہے قاعدہ سے ہو یا بے قاعدہ۔ نانہ سے ہو یا بلا نانہ کرتے رہو۔ اس طرح ایک دن عنایت ہو جاوے گی۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے

ہیہ

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

(۶) طلب کا درجہ عالیہ

طلب کا درجہ عالیہ یہ ہے کہ محض حق کی طلب ہو، جنت وغیرہ کی طلب نہ ہو اور مومنین کی اس خاص قسم کا طالبین جنت سے علیحدہ ہونا دوسری نصوص سے بھی موید ہے۔ چنانچہ سورہ واقعہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿فأصحاب الميمنة ما أصحاب الميمنة واصحاب المشئمة ما أصحاب المشئمة﴾ ظاہر ہے کہ یہاں اصحاب الميمنة سے مراد اصحاب جنت ہیں اور اصحاب المشئمة سے مراد کافر ہیں۔ مگر اصحاب الميمنة سے مراد کل اصحاب جنت نہیں بلکہ صرف عام مومنین مراد ہیں اور خواص کا ذکر آگے ہے۔ ﴿والمسابقون السابقون أولئك المقربون﴾ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تیسری قسم ہے۔ جو اصحاب الجنۃ سے بھی ممتاز ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ کہیں جنت سے الگ رہیں گے نہیں سکونت کے اعتبار سے یہ بھی اصحاب جنت ہیں۔ مگر طلب کے اعتبار سے ان سے الگ ہیں۔ پس اصحاب الجنۃ کی دو قسمیں ہیں ایک من يطلب الجنة۔ دوسرے من طلب الحق وان سكن الجنة اور السابقون کے تکرار سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دونوں مذکورہ طبقوں سے سابق ہیں۔ پس اصحاب جنت سے بھی سابق ہوئے۔ یہی معنی ہیں اہل جنت سے ان کے ممتاز ہونے کے۔

آگے حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اولئك المقربون کے بعد فی جنت النعیم بھی فرما دیا۔ تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ شاید مقرب ہونے سے مراد یہ ہے

کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی گود میں بیٹھیں گے تو بتلادیا۔ کہ وہ بھی جنت ہی میں ہوں گے مگر دو سروں سے مقرب ہونگے۔

بہر حال اہل جنت میں دو قسمیں ہونا نصوص سے صراحتہ معلوم ہو رہا ہے۔ اور اہل طریق کے کلام میں تو اسکی بہت تصریح ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ طلب کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو۔ نہ جنت کا اور نہ دوزخ سے بچنے کا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت کو طلب نہ کرے بلکہ یہ مطلب ہے کہ بالذات طلب نہ کرے۔ (فناء النفوس فی رضاء القدوس ص ۱۷)

(۷) بیعت کی حقیقت

ایک صاحب نے پوچھا کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے اور اس کی ضرورت کہاں تک ہے؟ فرمایا کہ بیعت کی حقیقت ہے دو جانب سے معاہدہ ہونا۔ پیر کی طرف سے یہ کہ میں تمہاری نگرانی کروں گا۔ اور مرید کی طرف سے یہ کہ میں اتباع کروں گا۔ اب لوگوں نے اس کو اپنی حد سے ایسا بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیر پیدا ہو گیا ہے عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جاوے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے کہ ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے۔ مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔ گویا بزرگی کوئی برق (بجلی) ہے۔ جب تک پیر کے ہاتھ میں ہاتھ نہ ملایا جائے۔ وہ برق نہیں دوڑتی۔

اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔ کیونکہ ایک زمانہ میں بزرگوں نے اس طریقہ سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔ تو اگر کسی دوسرے کو بیعت کرتے ہوئے دیکھا جاتا اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی

طالب سلطنت ہے۔ تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھا دیوے اس طریقہ بیعت کو ترک کر دیا تھا۔ صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے۔ اور تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ تو بتلائیے اگر بدون اس خاص طریقہ کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ نسب ہی منقطع ہوا جاتا ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سے انکار کیا جاتا ہے اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو ناکافی خیال کیا جاتا ہے۔ جو چیز موقوف علیہ نہ ہو۔ اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ ہے یا نہیں۔ (وحدۃ الحب ص ۹۸)

ارشاد فرمایا کہ جب تک اس قدر اشتیاق غالب نہ ہو۔ جیسے پیاسے کو پانی کا اشتیاق ہوتا ہے۔ اس وقت تک مرید نہ ہونا چاہئے۔ (مقالات حکمت حصہ اول ملفوظ نمبر ۴۲)

فرمایا کہ اصل چیز تو تعلیم ہے۔ بیعت ضروری نہیں۔ البتہ اس سے تعلق زیادہ ہو جاتا ہے اور شیخ اس کی اصلاح کو اپنے ذمے واجب سمجھ کر اس کی جانب زیادہ متوجہ رہتا ہے۔ (مقالات حکمت حصہ سوم ملفوظ نمبر ملخصاً)

(۸) بیعت کی بقاء و زوال

عن جابر بن عبد الله أن أعرابيا بايع رسول الله ﷺ فأصاب الأعرابي وعل بالمدينة فأتى النبي ﷺ فقال : يا محمد قلني بيعتي فأبي رسول الله ﷺ إلى قوله عليه السلام ان المدينة كالكبر تنفي خبثها وتنصع طيها متفق عليه .

دوسری روایت کعب بن مالک کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے تخلف کے

سبب آپ ان سے منقبض ہو گئے۔ مگر ان کا اعتقاد درست رہا۔ پس پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ بیعت واپس نہ کرے۔ لیکن مرید کا اعتقاد جاتا رہے، تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ ناراض ہو جائے لیکن مرید کا اعتقاد باقی اور قائم رہے۔ تو بیعت باقی رہتی ہے۔ اور ویسے بھی ظاہر ہے کہ مدار اعظم بیعت کا ارادت پر ہے۔ سو یہ صفت مرید کی ہے نہ کہ شیخ کی پس اس کے بقاء و زوال کا دوران ارادت کے عدم و وجود پر ہے۔

(ایضاً ص ۲۲) (اشرف العلوم جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ)

(۹) صحبت شیخ

جس کو صحبت شیخ کی ضرورت ہو۔ اس کیلئے نفلوں وغیرہ سے صحبت میں حاضر رہنا افضل ہے۔ خواہ کچھ پڑھتا رہے۔ یا خاموش بیٹھا رہے۔ ہاں جب وہ کچھ بیان کرے تو متوجہ ہو کر سنے۔ (مقالات حکمت حصہ ہفتم ملفوظ ۱۶۲ اشرف السائل ص ۲۱)

(۱۰) تصور شیخ

مجذب و اگر اپنا اثر ڈالے تو تصور شیخ کر لیا جاوے، اثر دفع ہو جائے گا۔ اور مجذب پر کیا موقوف ہے کوئی ہو۔ جب شیخ کی صورت کا تصور کیا جاوے گا تو کسی کامل کا بھی اثر نہ ہو گا۔ اور جس کا شیخ نہ ہو وہ کسی اور صاحب نسبت کا تصور جس سے اس کو عقیدت ہو کر لے وہ بھی کافی ہے۔ (ایضاً ملفوظ نمبر ۹۹)

(۱۱) فیض پیر

اگر پیر سے محبت کامل ہو تو ظاہری دوری مانع فیض نہیں۔ حدیث المرء

مع من احب اس کی موید ہے۔ یہی محبت بیعت روحانی ہے۔ مگر یہ اس شخص کیلئے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو۔ صرف تقویت نسبت میں مشغول ہو۔ ورنہ بدون قرب جسمانی کام نہیں چلتا۔ البتہ ثواب و برکت ضرور ہے۔ اس مضمون کو بعض صوفیہ ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں کہ باطن پیر ہر جگہ ہے۔ جن کے معنی سمجھنے میں عوام الناس غلطی کرتے ہیں کہ پیر نعوذ باللہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ سو یہ یقیناً غلط اور خلاف واقع ہے۔ گو بطور خرق عادت و کرامت کے گا ہے ایسا بھی واقع ہوا ہے..... مگر یہ امر نہ مستمر ہے اور نہ ضروری ہے۔ کہ جب پیر کی شکل نظر آوے تو وہ سچ مچ پیر ہی ہو۔ بعض اوقات کوئی فرشتہ وغیرہ اس شکل میں نظر آجاتا ہے۔ بلکہ معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ باطن اصطلاح میں اس اسم الہی کو کہتے ہیں جس کا کسی مخلوق میں ظہور ہو۔ پس شیخ کامل میں اسم ہادی کا فیض ظاہر ہے۔ سو باطن شیخ سے مراد اسم ہادی ہوا۔ چونکہ وہ حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ مکان و زمان سے منزہ ہے اور اس کا نور و فیض عام اور محیط ہے۔ اس اعتبار سے کہہ دیا جاتا ہے کہ باطن شیخ ہر جگہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ صفت ہادی کا فیض کسی زمان و مکان کیساتھ خاص نہیں اور چونکہ قابلیت اس فیض کے حاصل کرنیکی شیخ کی صحبت و تعلیم سے نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے باطن کو شیخ کی طرف بادی ملا بست مضاف کر دیتے ہیں۔ (ایضاً ص ۹۸)

(۱۲) تحقیق اختلاف مسالک اولیا

ہر نبی و ہر ولی را مسلکے است لیک تاحق می برد جملہ یکے است

انبیاء کے مسلکوں میں تو احکام کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں حسب اختلاف مصالح و طبائع انبیاء علیہم السلام پر مختلف شرائع و احکام نازل فرمائے اور اولیاء امت نبی واحد میں احکام کا اختلاف نہیں بلکہ ان ہی احکام

پر عمل کرانے اور ان میں خلوص پیدا کرنے کے طرق مختلف ہیں۔ پس احکام مشترک طرق مختلف۔ جیسا مجتہدین میں اختلاف ہے ان اولیاء کا اختلاف اس سے بھی اہون اور اخف ہے کیونکہ مجتہدین میں گاہے حلت و حرمت کا اختلاف ہو جاتا ہے گو وہ بھی اختلاف شرائع سے کم ہے اس لئے کہ مجتہدین سب کے سب متمسک شریعت واحدہ سے ہوتے ہیں مگر وجوہ استدلال و فہم اسالیب و تعیین قرآن سے یہ اختلاف ہو گیا اور مقصود سب کا عمل ہوتا ہے شریعت واحدہ پر۔ اور اولیاء اختلاف احکام سے بحث نہیں کرتے احکام میں کسی ایک مجتہد کا اتباع کر لیتے ہیں پھر ان ہی احکام متبوعہ میں اخلاص و تقرب کے تحصیل طرق میں حسب ذوق و استعداد طالب و تجربہ خود مختلف تعلیم فرماتے ہیں۔

اس تقریر سے ان مدعیان تصوف کی غلطی ظاہر ہو گئی جو اہل باطن کے لئے احکام جدا گانہ سمجھے ہوئے ہیں۔

(۱۳) انبیاء و خواص پر ابتلاء نعمت و مصیبت کا اثر

شغل مع غیر اللہ مانع طریق ہے اور وہ دو کلیوں میں منحصر ہے، ایک وہ حالت جو بہت ناگوار ہو دوسری وہ کیفیت جو زیادہ گوارا ہو، اس لئے کہ جو شے کم ناگوار ہو یا کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی (مثلاً آپ کچھ کام کر رہے ہیں، عین مشغولی کی حالت میں کسی مچھرنے کاٹ لیا یا عین کام کے وقت آپ نے ایک چنے کا دانہ اٹھا کر کھالیا تو یہ دونوں حالتیں کام کی مانع نہ ہوں گی) مانع وہ حالت ہے جو زیادہ ناگوار ہو یا وہ حالت جو زیادہ گوارا ہو۔ جو زیادہ ناگوار ہو وہ مصیبت کہلاتی ہے اور جو زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے۔ پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں، مصیبت اور نعمت۔ لیکن ان کی ذات مانع نہیں ہے۔ بلکہ مانع اس وقت ہے جب کہ قلب ان سے متاثر ہو، پس مصیبت اور نعمت کا ہر

درجہ مانع نہیں ہے، یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا۔

تقریر اشکال کی یہ ہے کہ جب نعمت اور مصیبت مانع ہیں تو مصائب تو صلحاء اور اولیاء و انبیاء پر بہت آئے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے ﴿أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءَ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَلَا مَثَلُ﴾ (بلاؤں میں سب سے زیادہ لوگوں میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوئے ہیں پھر ان کے مثل پھر ان کے مثل) اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائز ہوئی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ (اور آپ سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو عیسیاں اور اولاد بھی دی) تو اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لئے بھی شاغل ہوں گی،

جواب یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت کی ذات شاغل نہیں ہے بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو تاثر اس درجہ کا نہ ہوتا تھا کہ مصیبت اور نعمت ان کو خدائے تعالیٰ سے مشغول کر دے، یہ تو نہ تھا کہ ان کو مصیبت سے تالم اور نعمت سے تلذذ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ان کو ہم سے بھی زیادہ ہوتا تھا لیکن حق تعالیٰ کی یاد سے ان کو غفلت نہ ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کو ہو جاتی ہے۔ اولاد کے ساتھ ان کو ہم سے زیادہ انس تھا۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت حسن و حسین ﷺ بچے تھے بڑے بڑے کرتے پنے ہوئے تھے، حضور ﷺ نے منبر پر سے دیکھا کہ الجھتے پنجنہتے گرتے پڑتے آرہے ہیں حضور ﷺ نے خطبہ چھوڑ کر ان کو گود میں اٹھا لیا اور یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں) مجھ کو دیکھ کر صبر نہ آیا۔

ایک مرتبہ ایک رئیس نجد کے حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے آپ ﷺ حضرت حسن و حسین ﷺ کو یا حضرت حسین ﷺ کو پیار کر رہے تھے۔ اس رئیس

نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے تو دس بیٹے ہیں میں تو ایک کو بھی پیار نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر حق تعالیٰ نے تمہارے دل میں سے رحمت ہی نکال لی ہو۔

حضور ﷺ نے ایسے استغناء کو پسند نہیں فرمایا

پس معلوم ہوا کہ نعمت اور مصیبت کی ذات مانع نہیں ہے بلکہ وہ درجہ مانع ہے جو افراط کے درجہ میں ہو، اور خواص کو کوئی درجہ بھی مانع نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کو مصیبت میں زیادہ ناگواری اور نعمت میں زیادہ گوارائی ہی نہیں ہوتی، بخلاف عوام کے کہ ان کو مصیبت اور نعمت از جا رفتہ کر دیتی ہے۔

اس مضمون کو دوسرے عنوان سے سمجھو، کہ انبیاء و اولیاء کو بلاء اور نعمت سے راحت اور کلفت طبعی ہوتی ہے ان کو اس میں مبالغہ اور انہماک نہیں ہوتا۔ پس راحت اور کلفت کے دو درجے ہوئے، اول طبعی، دو سرا درجہ انہماک اور مبالغہ کا کہ بشر اثرہ اور باسره اس میں کھپ جاوے اور دوسری طرف مطلق دھیان نہ ہو، انبیاء اور اولیاء کو طبعی راحت اور طبعی کلفت ہوتی ہے، چنانچہ جب حضرت ابراہیم ؑ یعنی حضور ﷺ کے صاحبزادہ کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ کو رنج ہوا اور اَنَا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونٌ۔ فرمایا (میں تمہارے فراق میں اے ابراہیم غمگین ہوں) اور حضور ﷺ کے آنسو جاری ہوئے، بعض صحابہ ؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ فرمایا۔ یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے قلب میں رکھی ہے۔ اسی طرح حضرات حسنین ؓ کو آتے دیکھ کر جوش محبت سے ان کو منبر سے اتر کر اٹھالیا۔ لیکن یہ حزن اور محبت طبعی تھا، جس کا ادراک خاصہ ہے طبع سلیم کا، ہاں اگر کسی پر حال غالب ہو تو اس وقت یہ طبعی کلفت اور راحت بھی نہیں ہوتی، لیکن انبیاء پر بوجہ ان کے علو مقام کے حال غالب نہیں ہوتا وہ اس سے منزہ ہوتے ہیں وہ حال پر خود غالب ہوتے ہیں، غلبہ حال اولیاء متوسطین پر ہوتا ہے جس میں ان کو راحت سے راحت اور کلفت سے کلفت نہیں

ہوتی، چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی اولاد کا انتقال ہوا وہ ہنس دیئے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگ بوئے کامل ہیں، کامل ہونے میں ان کے شک نہیں، ہاں اکمل نہیں ہیں اکمل وہ ہے کہ جس کی حالت جناب رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہو کہ آنسو فک رہے ہوں اور دل من کلّ الوجوہ (ہر طریقہ سے) اپنے مولیٰ کی قضا پر راضی ہو، شاید کسی کو اشکال ہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اس لئے میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

دیکھو کسی شخص کے دہل ہو جاوے، سول سرجن کو دکھلایا، اس نے کہا کہ بغیر شکاف کے صاف نہ ہو گا، اب اس میں مریضوں کی مختلف حالت ہوتی ہے۔ بعض دل کے کمزور ہوتے ہیں، ان کو تو کلورا قام سنگھا کر بے ہوش کر کے شکاف دیتے ہیں، اس وقت اس مریض کو اس چیر پھاڑ کا کچھ الم محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دوسری شے اس کے حواس پر غالب ہے، یہ مثال ان اولیاء اللہ کی ہے جن پر حال ایسا غالب ہوتا ہے کہ ان کو مصیبت کا الم محسوس نہیں ہوتا اور ایک قوی شخص ہے کہ اس نے کہا کہ مجھ کو بے ہوش کر نیکی ضرورت نہیں۔ تم بشوق تمام اپنا کام کرو، ڈاکٹر نے دہل تراشا، تراشنے میں اس کو تکلیف بھی ہوگی اور آہ بھی زبان سے نکلے گی، اور یاد رکھو یہ آہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ تکلیف میں آہ سے بڑی راحت ہوتی ہے۔ یہ آہ مصیبت کی مقلد (کم کرنے والی) ہے غرض اس زخم کے تراشنے کے وقت اس مریض کا منہ بھی بن جاوے گا۔ لیکن وہ دل سے راضی ہے، کاٹنے والے سے ذرا بھی اس کے دل میں کدورت نہیں ہے، چنانچہ جب وہ زخم صاف ہو گیا تو جراح کہتا ہے کہ لائیے انعام۔ فوراً جیب سے نکال کر دس روپے اس کی نذر کئے۔ اب وہ جھگڑ رہا ہے کہ حضور یہ بہت کم ہے اور دیجئے اس نے دس روپے اور نکال کر دیئے۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ ایک تو اس نے مصیبت میں ڈالا پھر اسی کو انعام دیا جاتا ہے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ زخم پر راضی تھا، یہاں بھی وہ اشکال متوجہ ہو جاتا ہے کہ

اگر راضی تھا تو ناک منہ کیوں چڑھایا، اور اگر ناراض تھا تو انعام کیوں دیا۔ وہ یہی جواب دے گا کہ کلفت طبعیہ کی وجہ سے تو ناک منہ چڑھایا اور دل سے راضی تھا کہ اس کا انجام بہتر ہے۔

یہ مثال عباد المکین کی ہے کہ ان کو مصیبت میں طبعی کلفت اور رنج ہوتا ہے۔ اور دل چونکہ یقین رکھتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت میرے مولیٰ کی ہے اس لئے راضی ہے، اعتراض یا کدورت یا انقباض نام کو بھی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شخص بڑا قوی دل ہے کہ باوجود ہوش و حواس کے پھر از جارفہ نہیں ہوا۔ اور اپنے خیر خواہ معالج سے اس کو کچھ انقباض نہیں ہوا۔ اگر جاہل اور نادان ہوتا تو ضرور اس سے مکدر ہو جاتا، اور وہ شخص جس کو بیہوش کیا گیا ہے وہ درجہ میں اس سے کم ہے، سول سرجن جانتا ہے کہ اگر ہم اس کو بیہوش نہ کرس گے تو بہت شور مچا دے گا، ہم کو کام نہ کرنے دے گا، پس جن کو غلبہ حال کا کلورا فارم سونگھا دیا گیا ہے وہ درجہ میں ان حضرات سے کم ہیں۔ اور یہ امر بہت ظاہر ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے رضا بالقضاء کا حکم کیا ہے، التذاذ بالقضا کا حکم نہیں کیا، اور مشائخ کے کلام سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

”دگر تلخ بینند دم درکشند“

اگر تلخ دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں

معلوم ہوا کہ تلخی کا تو احساس ان کو ہوتا ہے، لیکن اس سے راضی ہیں قضا کے سامنے بولتے نہیں ہیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من

دل فدائے یار دل رنجان من

محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو

مگر میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے، میں اپنے محبوب پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے دل کو قربان کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ دل رنجانی ہوتی ہے لیکن وہ خوش ہے۔ بہر حال رضا بالقضا کلفت طبعیہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور جن کو اس میں لذت ہوتی ہے کلفت نہیں ہوتی۔ وہ صاحب کمال نہیں ہیں، صاحب کمال کی پہچان یہ ہے کہ اس کا حال انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہو، دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کے فراق میں کیا حال ہوا کہ روتے روتے آنکھیں مبارک سفید ہو گئی تھیں، جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ﴿يَا أَسْفَىٰ عَلَيَّ يَوْسُفُ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (کہا اے افسوس یوسف پر اور اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا)

جب بیٹوں نے یہ حال دیکھا تو کہا ﴿قَالُوا أَتَاللّٰهُ تَفْتُو تَذْكُرُ يَوْسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ﴾ یعنی بیٹوں نے کہا کہ قسم اللہ کی (اے ابا) تم تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہو گے، یہاں تک کہ سخت مریض ہو جاؤ گے یا بالکل ہلاک ہو جاؤ گے۔

یعقوب علیہ السلام نے سبحان اللہ کیا جواب ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”یعنی میں تو اپنے رنج و غم کا اپنے اللہ سے شکوہ کرتا ہوں، اور میں اللہ کے یہاں کی وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ یہ وہی مضمون ہے

ہم در تو گریم ار گریم
اگر بھاگوں تیری ہی طرف بھاگوں نا

دیکھئے ماں جب بچہ کو مارتی ہے تو وہ روتا ضرور ہے۔ لیکن رو کر پھر ماں ہی کو لپٹ جاتا ہے۔ پس بڑا کمال ان اولیاء اللہ کا ہے کہ ان کو غم محسوس ہو اور ازجا

رفتہ نہ ہوں، اور اس شخص کی کیا ہمت ہے کہ ادھر سے ان کو ایسی لذت دی گئی کہ اس کے غلبہ میں سب بھول گئے، اور یہ جو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿وَعَلَّمَ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (میں اللہ کے یہاں کی وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) مطلب یہ ہے کہ میرے بٹ اور حزن کا راز تم کو معلوم نہیں ہے وہ مجھ کو معلوم ہے، یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ کاملین کی حالت کا اندازہ عوام اور ناقصین بلکہ متوسطین بھی نہیں کر سکتے۔

مولانا فرماتے ہیں

کار پا کاں راقیاس خود مگئیر گرچہ ماند در نبشتن شیو شیر
جملہ عالم نس سب گمراہ شد کم کے زابداں حق آگاہ شد
گفت ایک ما بشرایاں بشر ماوایشاں بستہ خوانیم و خور

”یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ ظاہر میں دونوں یکساں ہیں جیسے لکھنے میں شیرو شیر یکساں ہیں، تمام دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہو گئی ہے کہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو پہچانا نہیں اور کہنے لگے کہ ہم بھی انسان ہیں وہ بھی انسان ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔“

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کاملین بظاہر عوام مومنین کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے مراتب کا ادراک ہر ایک کو نہیں ہو سکتا، ظاہراً حال ان کا اور عوام کا یکساں ہوتا ہے۔ پھر کیسے کوئی پہچانے ہاں جو صاحب بصیرت ہے اس کو ادراک ہوتا ہے۔ پس صورت عوام کے مشابہ اور حقیقت متفاوت جیسے کسی بزرگ نے حضرت حق سے ناز کر کے پوچھا تھا کہ اے اللہ فرعون نے اَنَا رَبِّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کہا، اور منصور نے اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) کہا، دونوں کا ایک ہی مدلول ہے۔ پھر کیا وجہ ہے

کہ ایک مردود ہوا دو سرا مقبول، جواب ارشاد ہوا کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ ہمارے مٹانے کو کہا تھا اس لئے ملعون ہوا، اور منصورؒ نے انا الحق اپنے مٹانے کو کہا اس لئے مقبول ہوا، اسی مضمون کو مولاناؒ فرماتے ہیں۔

گفت فرعون نے انا الحق گشت پست گفت منصورؒ نے انا الحق گشت مست
فرعون نے انا الحق کہا مردود ہوا منصورؒ نے انا الحق کہا مقبول ہوئے
رحمتہ اللہ لیس انا را در وفا لغتہ اللہ آں انا را در وفا
وفا میں یہ انا اللہ کی رحمت ہے۔ اس انا کے پیچھے اللہ کی لغت ہے۔

منصورؒ کے انا الحق کے معنی یہ تھے کہ انا کوئی شے نہیں، جس کو انا کہا جاتا ہے وہ بھی حق ہے، اور فرعون کے انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق جس کو کہا جاتا ہے وہ انا ہی ہے۔ سوائے میرے کوئی حق نہیں ہے۔

یہاں بھی صورت دونوں قول کی یکساں اور معنی متفاوت، غرض انبیاء مغلوب نہیں ہوتے، لیکن رضا میں کامل ہوتے ہیں، اور مغلوب نہ ہونے کے سبب انبیاء کو مصیبت میں لذت نہیں ہوتی، اور جن پر حال غالب تھا ان کو مصیبت میں کلفت محسوس نہیں ہوتی، بلکہ لذت اور مزہ آیا۔

اور تیسرا گروہ عوام کا ہے کہ ان کو مصیبت میں الم اس قدر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس میں کھپ جاتے ہیں اور دوسری جت مقابل یا تو بالکل گم ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور بعضوں بلکہ اکثر کی زبان سے شکوہ اور شکایات بھی اپنے مولیٰ کا نکلتا ہے۔ عوام کی مصیبت ان کا جیل خانہ ہے۔ اور خواص کے لئے زخم کا نشتر ہے، عوام مصیبت میں اسی کا سبق لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جس کا کوئی حاصل نہیں، ایسا نہ کرے بلکہ مومن کو چاہئے کہ جو معالجات اور آداب ہر مرض اور ہر حال کے متعلق حق تعالیٰ نے ہم کو ارشاد فرمائے ہیں ان پر عملدرآمد رکھے اس لئے کہ کوئی ایسا مرض نہیں ہے جس کا علاج ہم کو نہ بتلایا گیا ہو۔

درد ازیا رست درماں نیرہم دل فدائے اوشد و جان نیزہم
 ”درد بھی محبوب کی طرف سے ہے اور علاج بھی اسی کی طرف سے“ دل
 اور جان میری اس پر فدا ہے“

(۱۴) اہل اللہ کی حیات برزخ

فرمایا کہ اہل اللہ کا تذکرہ بعد موت کے بھی باقی رہتا ہے ورنہ ہزاروں مرتے ہیں کوئی چند دن کے بعد نام بھی نہیں لیتا اور یہ حیات برزخیہ اگرچہ ہر شخص کو مرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے مگر اہل اللہ کی حیات دوسروں کی حیات سے قوی ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہیں ”ثبت است بر جریدہ عالم دوام“ (جریدہ عالم پر ہمارا دوام ثابت ہے) اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کی صفات ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور یہ حضرات مظہر صفات الہی ہیں اس لئے ان کو بھی کسی قدر دوام و لقاء سے حصہ ملتا ہے۔

(۱۵) اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں

فرمایا۔ حق تعالیٰ کی صفات پر مجھے ایک بات یاد آئی جو بہت ہی کام کی بات ہے جو حق تعالیٰ نے آج عطا فرمایا ہے اس کی قدر وہ جانے جس پر گذرتی ہے۔ مجھ سے اگر پوچھے تو لاکھوں کی بات ہے وہ یہ کہ بعض سالکوں کو یہ بات پیش آتی ہے کہ ان میں تاثر کم ہوتا ہے نہ خوف نہ غلبہ شوق نہ زیادہ غلبہ محبت بس ان کی طبیعت خالی خالی معلوم ہوتی ہے اور بعضوں پر احوال و مواجید کا بہت غلبہ ہوتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر رقت اور خوف طاری ہو جاتا ہے اگر یہ غالب ہو جاتا ہے کبھی شوق و محبت میں سکر کی سی کیفیت رہتی ہے تو جن سالکوں پر ان احوال کا غلبہ

نہیں ہوتا وہ پریشان رہتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے کچھ فائدہ نہیں ہوا لیجئے آج میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں اور وہ علم ایک نیک بی بی کے خط کے آنے سے حاصل ہوا۔

انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں موت کثرت سے ہو رہی ہے مگر مجھے خوف نہیں معلوم ہوتا نہ کچھ رقت طاری ہوتی ہے یہ حالت کیسی ہے۔ ان کو تو میں نے یہی لکھ دیا کہ حالات مقصود نہیں ہیں بلکہ اعمال مقصود ہیں اگر اعمال میں کوتاہی نہ ہو تو ان حالات کے ہونے یا نہ ہونے کی کچھ بھی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ مگر اس کی حقیقت جو اسی وقت میرے دل پر منکشف ہوئی وہ ان کو نہیں لکھی کیونکہ وہ بات ان کی فہم سے زیادہ تھی۔

اور اس حقیقت کے سمجھنے سے پہلے دو مقدمے سمجھ لیجئے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصود حضرت حق میں فنا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا اور متخلق باخلاق اللہ ہونا یہ مقصود ہے۔ دو سرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت حق میں جو صفات ہیں ان سے مراد غایات ہیں مبادی نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبداء ایک منتبا۔ مبداء انفعال ہوتا ہے مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک مبداء ہے ایک منتبا ہے۔ مبداء یہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے دل پراثر ہوتا ہے یہ انفعال ہے اور منتبا یہ ہے کہ دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ ہمدردی کی اس کی اعانت کی یہ فعل ہے اور یہی مقصود بھی ہے صفت رحمت سے۔ اسی طرح حیا اور علم و رغبت وغیرہ۔ تو حق تعالیٰ چونکہ انفعال اور تاثر سے پاک ہیں اس لئے ان کو جو رحمن الرحیم غفور غفور وغیرہ کہا جاتا ہے تو ان کی صفات میں صرف غایات مراد ہیں مبادی مراد نہیں ایک مقدمہ یہ ہوا۔ اب یہ سمجھئے کہ خوف اور محبت وغیرہ جو صفات ہیں ان کے اندر بھی دو درجے ہیں ایک مبداء اور دو سرا منتبا مبداء وہی تاثر اور انفعال ہے کہ خدا کی عظمت و جلال کے خیال سے

دل پر اثر ہوا رقت طاری ہوئی اور منتبایہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے۔ محبت کا مبدایہ ہے کہ دل میں عشق کی دکن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال ہے اور منتبایہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے تو جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر استقامت حاصل ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجالانے والا ہو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات پائے گئے تو یہ شخص اصل متخلق باخلاق اللہ ہے اور جس پر ان کیفیات کا غلبہ ہو اس میں اول مبادی پائے گئے۔ پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد سا لکین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن احوال و کیفیات کے فقدان سے وہ پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو جو کہ مقصود ہے اس لئے اب ان چیزوں کی خواہش اور تمنا میں نہ پڑنا چاہئے بلکہ جس حال میں محبوب نے رکھا ہے اسی میں خوش رہنا چاہئے۔ اس میں حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی کو غلبہ احوال عطا فرمایا اور کسی کو بدون اس کے ہی استقامت عطا فرمادی کسی پر خوف کا غلبہ ہے وہ رو رہا ہے کسی پر رجاء کا غلبہ ہے وہ ہنس رہا ہے کسی پر طلب اور شوق کا غلبہ ہے وہ بے چین ہے اور کسی پر کوئی حال غالب نہیں وہ سادگی کے ساتھ اعمال مقصودہ میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں ایک کو دوسرے کے حال کی طلب نہ کرنا چاہئے۔

گوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است
بعندلیب چہ فرمودہ کہ تالان است

(گل سے کیا کہہ دیا ہے کہ خندان ہو رہا ہے اور بلبل سے کیا

فرمادیا ہے کہ ٹالاں ہے)

اگر حق تعالیٰ نے صاحب اضطراب بنایا ہے تو سکون کے طالب نہ بنو اور صاحب سکون بنایا ہے تو اضطراب کے طالب نہ بنو۔ اب جو لوگ کام کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ یہ علم کس قدر عظیم ہے اس سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی اور پریشانی اور غم کا پہاڑ دل سے ہٹ گیا ہو گا کیونکہ سا لکین کو ذرا ذرا سی بات سے رنج و غم ہونے لگتا ہے اگر کچھ بھی شبہ اس کا ہو جائے کہ ان کی محبت میں یا طلب میں کمی ہے تو بس ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے

بر دل سالک ہزاراں غم بود
گرز باغ دل خلا لے کم بود

(عارف کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں اگر اس کے باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے)

”استقامت کا مفہوم“

یہ علوم اور حقائق وہ چیزیں ہیں کہ سا لکین ان کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اب میں غور کرتا ہوں اگر میرے پاس ہزار گاؤں ہوتے تب بھی جو مسرت اس وقت مجھ کو اس علم کے حاصل ہونے سے ہوئی میں سچ کہتا ہوں کہ ہزار گاؤں کی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی پر خوف و شوق کا غلبہ نہ ہو مگر استقامت اعمال نصیب ہو گئی ہے اس کو بے فکر رہنا چاہئے مگر سامان کرنے کے بعد۔ کیونکہ اگر اعمال کے اہتمام کا سامان نہ کیا تو پھر استقامت فوت ہو جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کی یہ کیفیت ہے کہ اس کی آنکھ تہجد کے وقت بلاناغہ کھل جاتی ہے اس کے دل میں کیفیت شوقیہ ایسی ہے کہ

وقت پر مجبور اٹھا کر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے شخص پر یہ کیفیت غالب نہیں مگر وہ ہر روز تہجد کا سامان کر کے لیتا ہے لوٹا و جا نماز پاس رکھ لیتا ہے، شام کو کھانا بھی کم کھاتا ہے تاکہ اٹھنے میں اعانت ہو، عشاء کے بعد فوراً ہی سو بھی رہتا ہے، 'اذکار' ادعیہ پڑھ کر سوتا ہے اگر اس کی نماز تہجد کی کسی دن قضا بھی ہو جائے تو یہ استقامت کے خلاف نہیں اور نہ یہ شخص پہلے شخص سے کچھ ثواب میں کم ہے کیونکہ ہمیشہ بلا ناغہ اٹھنا اس کے اختیار سے نہیں ایک کیفیت شوقیہ اس پر مسلط ہے وہ اٹھا دیتی ہے اور یہ شخص کیفیت سے خالی ہے مگر جتنا سامان کرنا اس کے قبضہ میں تھا وہ سب کر لیتا ہے پھر بھی اگر کسی دن تہجد اس کا ناغہ ہو جاوے تو یہ اس کے اختیار سے باہر ہے امید یہ ہے کہ اس کو اس دن بھی تہجد کا ثواب ملے گا اور کبھی کبھی تہجد کا ناغہ ہو جانا بشرطیکہ سامان اٹھنے کا ہمیشہ کرتا ہو استقامت کے منافی نہیں بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر ایک شخص جاگنے کا سامان کر کے سو جائے یا اس کی فرض نماز بھی قضا ہو جائے تب بھی اس پر ملامت نہیں نہ یہ بات استقامت کے خلاف ہوگی۔

حضور ﷺ سے زیادہ کون صاحب استقامت ہو گا، 'یلتہ التعریس' میں خود حضور ﷺ کی فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک بار قافلہ رات کو چل رہا تھا اور گرمیوں کے موسم میں اہل عرب اکثر رات کو سفر کرتے ہیں، 'اخیر شب' میں آپ منزل پر پہنچے اور اس وقت تک صبح ہونے میں ذرا دیر تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو صبح کی نماز کے لئے ہم کو جگا دے اور ہم سو رہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا آپ جاگنے کا پورا سامان کر کے بے فکر سو رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھے رہے کہ صبح ہوتے ہی اذان دوں گا کہ حق تعالیٰ نے ان پر بھی نیند غالب کر دی وہ بھی بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے۔ یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا اور کوئی نہ جاگا۔

سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی آنکھ کھلی آپ ﷺ نے سب کو جگایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو صبح کی نماز قضا ہونے کا قلق ہوا مگر حضور ﷺ کو قلق نہیں ہوا کیونکہ آپ جلستے تھے کہ جتنا کام ہمارے قبضہ کا تھا وہ ہم کر چکے تھے کہ ایک معتبر شخص کو جگانے کے لئے مقرر کر دیا اس پر بھی اگر نماز قضا ہوگئی اور اتفاق سے وہ شخص بھی سو گیا تو یہ محض تقدیری امر ہے اب اس پر قلق کرنا مشیت الہی کا مقابلہ کرنا ہے، ہاں اگر طبعی قلق ہے تو مضائقہ نہیں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو یہ فرما کر تسلی کی لَا تَغْرِيطُ فِي النُّوْمِ إِنَّمَا التَّغْرِيطُ فِي الْبَقْظَةِ کہ نیند میں اگر کچھ کوتاہی ہو جائے وہ کچھ کوتاہی نہیں، کوتاہی وہی ہے جو کہ بیداری میں ہو اور یہ نماز تمہاری بیداری میں قضا نہیں ہوئی سوتے ہوئے میں قضا ہوئی اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ سونے کی حالت میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے البتہ سونے سے پہلے جاگنے کا سامان اپنی وسعت کے موافق کرنا ضرور تھا سو وہ تم کر چکے تھے سامان کرنے کے بعد بھی جب نماز قضا ہوگئی تو اس پر قلق کی ضرورت نہیں یہ تقدیری امر تھا۔

شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور ﷺ کی نیند تو اونگھ کے مشابہ تھی آپ کو گہری نیند نہ آتی تھی حتیٰ کہ آپ کا وضو بھی سونے سے نہ ٹوٹا تھا کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا، تو پھر آپ ﷺ کی نماز کیسے قضا ہوگئی۔

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس روز حق تعالیٰ نے قضا نماز کے احکام مشروع فرمانے کے لئے آپ ﷺ کے اوپر کوئی کیفیت استغاثہ غالب فرمادی ہو کہ مشاہدہ جمال حق میں وقت کی خبر نہ ہوئی اور آپ ﷺ کی نماز قضا ہو جانے میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ ایک تو یہی حکمت ہوئی کہ آپ نے قضا نماز کے احکام مقرر فرمادیئے دوسرے بعد والوں کو تسلی ہوگئی کہ اگر کسی کو اتفاقی طور پر امت میں ایسی صورت پیش آجائے تو وہ غم سے ہلاک نہ ہو جائیں، اس واقعہ سے ان کو تسلی ہو جاوے گی کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا ہے۔

غرض اس طریق میں ناامیدی اور مایوسی کا نام نہیں۔ قدم قدم پر تسلی

موجود ہے۔ اور مولانا تو دل کھول کر فرماتے ہیں۔

کوئے نومیدی مرو کا مید ہست
سوئے تاریکی مرد خورشید ہست

(ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ
چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ناامید مت ہو بہت
سی امیدیں رکھو)

ہاں جہل کا کچھ علاج نہیں کہ کوئی خواہ مخواہ اس غم میں پڑے کہ ہائے
میرے اندر خوف کا غلبہ نہیں، شوق اور اضطراب نہیں۔ بس مقصود یہ ہے کہ
اعمال میں مشغول ہونا چاہئے ان میں کمی نہ کرو پھر اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ رونا
آتا ہے یا نہیں، خوف کا غلبہ ہے یا نہیں۔ بس کام میں لگو اور زیادہ کاوش مت
کرو۔ اب لوگ یہ تو کرتے نہیں فضول کاوشیں کرتے ہیں جن سے کوئی فائدہ
نہیں بلکہ اور پریشانی بڑھتی ہے۔

(۱۶) رسالہ التخفیف فی الاختیار الضعیف

امور اختیار یہ کی تشریح: حضرت یہ امور اختیار یہ کا جو مسئلہ ہے اسکی نسبت اکثر
ایک وسوسہ یہ ہوا کرتا ہے خصوصاً اپنے ہی حالات پر نظر کرنے سے کہ کیا جسمانی
امراض خاص کر ضعف قلب و دماغ اور مسلسل خلاف طبع حالات کے پیش آتے
رہنے سے یہ اختیار بھی ضعیف و مضلل نہیں ہو جاتا ہے اور کیا پھر اس حد تک یہ
اختیار امور غیر اختیار یہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ نیز ارادہ و اختیار میں اور نیت میں کیا
فرق سمجھوں مثلاً اگر نماز میں خشوع و خضوع کی ہر وقت نیت رکھتا ہوں اور پھر بھی
یہ اس درجہ تک کا بھی نہ حاصل ہوتا ہو جس کو حضرت امر اختیار میں فرمایا

کرتے ہیں تو ایسی نیت معتبر ہوگی۔

تحقیق: خشوع لغۃً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جوارح جسکی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب جس کی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر قدرت ہے مثلاً صحیح قوی سوی اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت زائدہ علی الصلوٰۃ صادر نہ ہونے دے وہ اسی کا مکلف ہو گا اور مریض صاحب وجع غلبہ وجع کے وقت اس پر قادر نہیں جب درد اٹھے گا وہ بے چین ہو کر بیچ و تاب کھائیگا اسلئے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہو گا البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ اس سکون کی تجدید کا مکلف ہو گا۔ اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بھی بقدر قدرت ہوگی مثلاً جو شخص تمام اسباب مشوشہ سے محفوظ ہو وہ حرکات فکریہ کے انقطاع کلی پر قادر ہے وہ اسی کا مکلف ہو گا اور جو اسباب مشوشہ میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں اسلئے وہ اس درجہ کا مکلف بھی نہ ہو گا البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسر ہو گا یعنی وہ تشویش متعجلہ پر غالب نہ ہو اس وقت میں اس کا مکلف ہو گا۔ یہ تو کلام کلی ہے۔

اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے وہ زیادہ قائل اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے اگر صاحب معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح حکیم تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے وہ یہ ہے کہ اس قطع حرکت فکریہ کا طریق کیا ہے کیونکہ یہ قطع براہ راست حاصل نہیں ہوتا کما هو مشاہد بلکہ طریق اس کا یہ ہے کہ اپنے قلب کو کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کر دیا جاوے جو وضع صلوٰۃ کے خلاف نہ ہو مثلاً ذات حق کی طرف برابر متوجہ رہے اگر خیال نہ جمنے کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبہ حناء کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں یا نماز میں جو از کار و قراءت پڑھ رہا ہے ان کی طرف توجہ رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا ان کے معانی کی طرف توجہ رکھے چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا اسلئے یہ توجہ مانع ہو جاوے گی دوسرے

خطرات کے آنے سے یہ ہے وہ طریق۔

اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے کسی شخص کیلئے ایک تصور نافع ہے۔ دوسرے شخص کیلئے دوسرا تصور۔ بعض اوقات صاحب معاملہ بوجہ عدم بصیرت و عدم تجربہ کے اپنے لئے ایک طریق کو اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اسکی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اسلئے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اس غلط گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خشوع فعل اختیاری نہیں اسلئے بالکل اس کا اہتمام چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس مامور بہ کی برکت سے محروم رہتا ہے اسلئے اپنے مناسب طریق کی تعیین کے لئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔

دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اس میں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلاً نہ آنے پائے اور اسکے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتیٰ کہ نیت کلال و ملال کی پیش آتی ہے جس کا نتیجہ وہی یاس کے بعد ترک کر دینا ہے سو اسلئے ضرورت ہے ترک کاوش کی بس سرسری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کیساتھ دوسرا کوئی خطرہ آجاوے وہ غیر اختیاری ہو گا اور مضر نہ ہو گا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر قصد نظر کی جاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلا قصد دوسرے کلمات پر بھی پہنچ جاتی ہیں مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی۔ اور ایک غلطی سب سے بڑھ کر ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصد آیا یا بلا قصد سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے۔ اگر فرضاً یہی تحقیق ہو جاوے کہ قصد آیا تو اب گذشتہ کا تو اعدادام ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کیلئے تدارک کیا ہی جائے گا سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہو جاوے تو کیا ضرر ہے اور وہ تدارک بغور متنبہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی اور نیت و ارادہ جو کہ مترادف ہیں قبل اختیار ہوتے

ہیں جو بدون اختیار کئے ہوئے مامور بہ کے کافی نہیں جیسے نماز کی نیت کرے مگر فعل صلوٰۃ کو اختیار نہ کرے ناکافی ہے لیکن جن اشکالات کا مخلص اس فرق کی تحقیق کو سوچا تھا اب وہ بدوں اس تحقیق کے بجز اللہ حل ہو گئے یعنی فرق ہونے پر بھی اور نیت کے کافی نہ ہونے پر بھی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ اختیار کے درجات میں ایسی گنجائش نکل آئی کہ کسی درجہ میں بھی خلجان اور مشقت کا احتمال نہیں رہا۔ واللہ الحمد۔

(حال : الحمد للہ کہ مسئلہ ”مور اختیار یہ“ کی نسبت بھی حضرت کے نسخے نے کامل شفا بخشی اور شرح اسباب کیساتھ بخشی اطلال اللہ بقائکم ونفعنا بہ۔)
(اب صرف ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں کہ حضرت نے حرکت فکریہ کے قطع کی جو صورتیں تحریر فرمائیں ان میں سے یا ان کے علاوہ جو میرے لئے زیادہ موثر و مناسب حضرت کے نزدیک ہو وہ بھی تحریر فرمائی جاوے۔)

ایک استفساریہ کہ : (میں بطور خود تو کچھ نماز میں پڑھتا ہوں اسی کے معنی پر متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس میں کامیابی اتنی کم ہوتی ہے چاہتا ہوں کہ کم از کم جس وقت اهدنا الصراط المستقیم زبان سے ادا ہوتا ہے اسی کے معنی پر توجہ ہو مگر اکثر اتنا بھی نہیں ہوتا یا آگے نکل جانے کے بعد خیال آتا ہے مقتدی ہو نیکی صورت میں پاس انفاس کا لحاظ رکھنا چاہتا ہوں اس میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتا اصل یہ ہے کہ حضرت بس حدیث نفس کا بہت غلبہ رہتا ہے)
(بہر حال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں۔ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں)
اس استفسار پر تحریر فرمایا :

تحقیق۔ اس سوال سے اس لئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرنے کی اور جو شخص کام کرے گا اس کو یہ سوال پیش آویگا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس

کے حل کا ذریعہ بنایا جس سے آپ بہت سے طالبین کے رفع پریشانی کے سبب ہو گئے و الحمد للہ علی ذلك۔

اور خط سابق لکھنے کے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال کیا جاوے اور کئے جانے کی امید بھی تھی اب جواب عرض کرتا ہوں۔

اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض اگرچہ اشیاء مختلفہ کی طرف ہو۔ دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ بلاخوض ہو۔ اب جس شخص کو آیات و اذکار کے معانی بلاخوض ذہن میں آجاتے ہوں وہاں نہ خوض ہے نہ مافیہ الفکر شے واحد ہے اسلئے کوئی قسم توجہ کی نہ پائی گئی پس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی۔ بخلاف اس شخص کے جس کو سوچنے سے معنی یاد آتے ہوں اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی (اسلئے آپ کو اس تدبیر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ آپ کو خوض کی حاجت نہیں ہوتی) پس ایسے شخص غیر محتاج الی الخوض کیلئے دو سری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی توجہ الی الشی الواحد خواہ وہ شے واحد کچھ ہو ذات حق ہو یا رویت حق للعبد یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور۔ اور توجہ الی الحق کی تفصیل (آپ نے دریافت فرمائی ہے) وہ یہی ہے کہ یا ان کی ذات کا اجمالاً تصور رکھے جس طریق سے بے تکلف ذہن میں آجاوے جس پر ہر شخص قادر ہے زیادہ کاوش کی حاجت نہیں۔ یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

توجہ الی الشی الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اور بجد نافع بھی ثبت ہوا وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات صلوٰۃ و تلاوت و اذکار بلکہ افعال مباحہ میں بھی اس کا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے تو ان میں کوئی ایسا اختیاری خلل نہ ہو جس سے پیشی کے قابل نہ ہوں بس اتنا ہی تصور کافی ہے ابتداء میں استحضار ضعیف ہو گا مگر ممارست کے بعد اس استحضار میں دوام پیدا ہو جائے گا۔

چونکہ یہ مجھ کو نافع ہوا اور کئی موقعوں پر آپ کی طبیعت کا تناسب اپنی طبیعت کے ساتھ مشاہدہ کر چکا ہوں امید ہے کہ آپ کیلئے بھی انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہو گا اور اس بحث کے متعلق جو تنبیہات رقیمہ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں وہ سب اس میں بھی ملحوظ رہیں واللہ الموفق۔ امید ہے کہ سب اجزاء سوال پر بقدر ضرورت کلام ہو چکا ہے اگر کچھ رہ گیا ہو پھر متنبہ فرمادیا جاوے والسلام فقط) (یوادرالنوادر)

”اختیاری و غیر اختیاری پریشانی“

(۱۷) پریشانی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو با اختیار ہو۔ کہ انسان کے کسب کو اس میں دخل ہو۔ دوسرے وہ جو بلا اختیار ہو کہ انسان کے کسب کو آپس میں دخل نہیں پھر جس میں کسب کو دخل ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا جلب و سلب دونوں اختیاری ہیں۔ یعنی اس کے پیدا ہونے میں بھی کسب کو دخل ہے اور دفع کرنے میں بھی۔ اور ایک وہ جس کا جلب تو اختیاری نہیں۔ مگر دفع اختیاری ہے۔ یہ بھی کسب میں داخل ہے پس جس پریشانی کا جلب و سلب اختیاری ہو اس کے اسباب کو خود پیدا کرنا سخت مضرب ہے۔ اور جس کے اسباب جلب اختیاری نہیں۔ مگر دفع اختیاری ہے۔ اس کے اسباب مدافعت کو اختیار نہ کرنا اور پریشانی میں مبتلا رہنا بھی مضرب ہے اور ایک پریشانی وہ ہے جس کا نہ جلب اختیار میں ہے نہ سلب یہ واقعی خیر ہے۔ (اختیاری و غیر اختیاری پریشانی اشرف المسائل ص ۱۴۱)

اور اسی کی نسبت یوں کہا جائے گا

درد از یارست و در ماں نیز ہم دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

یعنی اس کے لئے درمان کی بھی طلب نہیں کی جائے گی اور یہی وہ پریشانی ہے جس کے بارہ میں عارف شیرازی فرماتے ہیں

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیراوست بر صراط مستقیم ایدل کسی گمراہ نیست

یعنی طریقت میں جو امور طریقت کے متعلق پیش آئیں وہ تو خیر ہیں ہی۔ جو امور طریقت کے علاوہ بھی بدوں اس کے کسب و اختیار کے پیش آئیں وہ بھی اس کیلئے خیر ہیں (ص ۱۲۲)

جو تشویش قلب اختیار سے ہو وہی مضر ہے۔ کیونکہ یہ شخص خود پریشانی کو خریدتا ہے اور اگر بلا قصد تشویش ہو۔ وہ کچھ مضر نہیں۔ مثلاً ایک شخص صاحب عیال ہے۔ اس وجہ سے دنیا میں مشغول ہے۔ اور اس کو کسی وقت یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ نماز اور ذکر میں بلا قصد وساوس مشوشہ آتے رہتے ہیں تو یہ کچھ مضر نہیں اور جس کو پریشانی کچھ نہیں مگر خواہ مخواہ بالقصد مشوشات کو جمع کرتا ہے یہ مضر ہے پس جن مشغولین بالدنیا کو توسط فی القداء سے یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ہرگز پریشاں نہ ہوں۔ کیونکہ اس کے بعد جو تشویش بلا قصد ہوگی وہ ذرا مضر نہیں۔ کہ وہ محض وسوسہ غیر اختیاری ہوگا۔ جو وسوسہ وحدیث النفس غیر اختیاری ہو وہ مضر نہیں البتہ جو بقصد ہو اور بلا ضرورت ہو۔ وہ مضر ہوتا ہے اور یہ بات کہ ضروری مضر نہیں اور غیر ضروری مضر ہے کچھ حدیث النفس ہی کیساتھ خاص نہیں۔ بلکہ حدیث اللسان یعنی کلام لسانی میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ ہر چند کہ تقلیل الکلام ضروری ہے اور تکثیر کلام مضر ہے۔ مگر وہی تکثیر مضر ہے جو بے ضرورت ہو۔ چنانچہ بلا ضرورت ایک کلمہ بھی زبان سے نکالنا قلب کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ مگر قلب پر چونکہ ظلمت محیط ہے اس لئے بہت لوگوں کو اس مضرت کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر قلب میں نور ہو تو معلوم ہو گا کہ اس ایک غیر ضروری کلمہ سے قلب کا کیا حال ہو گیا۔ لیکن بضرورت تکثر ہو۔ تو کچھ بھی مضر نہیں۔

مثلاً ایک شخص پہرہ پر نوکر ہے وہ رات بھر جاگو جاگو کہتا ہے۔ اس سے نور

قلب میں کچھ بھی کمی نہ آئیگی۔ اسی طرح دوکاندار خریداروں سے تجارت کی ضرورت سے گھنٹوں باتیں کرتا ہے۔ تو جب تک ضرورت کی وجہ سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کے قلب کو اس سے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ خواہ کتنی ہی دیر لگ جائے۔ اسی طرح تحریر میں جب تک ضرورت کا مضمون لکھا جائے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ اور بے ضرورت ایک جملہ بھی لکھا گیا۔ تو قلب کا ناس ہو جائے گا۔ یہ ذرا سی بات ہے۔ اس کو غور سے سنو۔ کیونکہ بہت لوگ کلام فضول کو تو مضرب سمجھتے ہیں مگر تحریر کو مطلقاً مضرب نہیں سمجھتے۔ گو فضول ہی ہو وہ اس کو کلام ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بھی ایک نوع ہے کلام کی۔ (اشرف المسائل ص ۱۳۸)

جو شخص غیر اختیاری امور کی طلب کرے گا وہ ہمیشہ پریشانی میں مبتلا رہے گا۔ بعض ثمرات تو موعود بھی نہیں۔ ان کا ترتب تو یقینی بھی نہیں۔ ان کی فکر میں پڑنا تو پوری پریشانی ہے۔ باقی جو موعود بھی ہیں۔ جیسے اجر و ثواب ان کا وعدہ آخرت میں ہے۔ یہاں ان کا انتظار کرنا بھی ظاہر ہے کہ پریشانی ہی پریشانی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک کام بتلایا ہے۔ اور ایک شے کا وعدہ کیا ہے۔ ہمارا کام عبادت ہے۔ وہ اپنا وعدہ آخرت میں خود پورا کرے گا۔ ہمارا طالب ثمرات ہونا خلاف عبادت ہے۔ اور اسی طرح یہ دیکھنا کہ میں اتنے دنوں سے کام کر رہا ہوں کچھ ملا بھی یا نہیں۔ خلاف اخلاص بھی ہے۔ کیونکہ ثمرات عاجلہ کا طالب ہونا ہے۔ حالانکہ اب بھی جو اس کو مل رہا ہے یعنی اصلاح کے تدریجی مراتب اس کا اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ (المدین المخلص ص ۲۱ اشرف المسائل پریشانی ص ۲۱)

(۱۸) مفاسد اہتمام امور غیر اختیاریہ

منجملہ موانع طریق سلوک کے دوا مرخاص ہیں جو اس قدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو۔ بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے ذوق و شوق و استغراق و لذت و یکسوئی و دفع خطرات و سوزش و انجذاب و عشق طبعی و امثالہا اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں۔ اور دوسرا یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے اہتمام میں لگ جاتے ہیں۔ جیسے قبض و هجوم خطرات اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونما نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ و امثالہا اور ان امور کو طریق کیلئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجب بعد عن اللہ سمجھتے ہیں۔ یہ ہیں وہ دوا مرجن میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں۔ اور امر مشترک ان دونوں امر میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیلاً یا ازالۃ اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا مشتمل ہے متعدد مفاسد پر۔ ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے کہ در پردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ کی مزاحمت ہے کیونکہ جب یہ امور غیر اختیاریہ ہیں تو انسان کی وسع میں نہ ہوئے نہ تحصیلاً نہ ازالۃ کیونکہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں۔ اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں اس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں۔

پس جب یہ انسان کی وسع میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا

ازالہ کو موقوف علیہ مقصود مامور بہ کا سمجھا اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کیلئے وسع کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ وسع میں ہیں نہیں تو گویا یہ معتقد ہوا اس امر کا کہ مامور بہ کیلئے وسع شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوئی ارشاد ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا﴾ کی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔

دوسرا مفسدہ یہ ہے اور یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے اور یہ تحصیل و ازالہ کے لئے کوشش کرے گا۔ جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی پھر اس پریشانی کے یہ آثار محتمل ہیں اول۔ پریشانی کے تواتر سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔ ثانی پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔ ثالث۔ غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ رابع۔ کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خود کشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا و الآخرہ کا مصداق بنتا ہے۔ خامس۔ کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بیکار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت و تعطیل محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ سادس۔ کبھی شیخ سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود ان ہی کو معلوم نہیں۔ سابع۔ کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش و مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی۔ ذرا رحمت نہیں فرماتے۔ بالکل توجہ نہیں ہے۔ خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ آیہ ﴿اور ﴿مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا﴾ الحدیث۔ تو نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ (یو در انوار ص ۷۹)

(۱۹) ترک تعلق کا اہتمام

بعض سالکین کو ترک تعلقات کا بیجا اہتمام ہوتا ہے اور اسی کے دقائق میں غور و فکر اور عمل کو لگائے رکھتا ہے۔ مثلاً کسی نے اپنے ذمے بہت سے فضول کام لے رکھے تھے انہیں کم کر دیا۔ بازار کے کام کم کر دیئے۔ معاملات و تعلقات میل جول وغیرہ کو اس مصلحت سے گھٹا دیا کہ ان تعلقات کے کم ہونے سے تعلق مع اللہ پیدا ہو۔ پھر قلب کو خالی کر کے متوجہ حق ہو۔ یہ نیت اچھی ہے اور مذاق چشتیہ کے موافق ہے۔ مگر اس کے استعمال میں بعض دفعہ غلطی ہو جاتی ہے وہ یہ کہ تخیل اور تحلیلہ ساتھ ساتھ آتے نہیں یعنی جس زمانہ میں یہ شخص تقلیل تعلقات غیر میں مشغول ہوتا ہے اس وقت تکثیر تعلقات مع اللہ میں مشغول نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک وقت اس پر ایسا گذرتا ہے کہ اس کا دل بالکل خالی ہو جاتا ہے کہ نہ اس میں تعلق مع الخلق ہے نہ تعلق مع اللہ کیونکہ تعلق مع اللہ سے تو قلب کو بھرنے کا اس نے قصد ہی نہیں کیا۔ یا قصد کیا ہو مگر اس کیلئے عمل تھوڑا کیا۔ جو کافی نہیں ہوا۔ اور تعلق مع اللہ چونکہ تعلق مع الغائب ہے۔ اس لئے وہ بھی ایسا قوی نہیں ہوا کہ دوسرے تعلقات کو دل سے نکال کر خود اس میں بھر جائے تو اس نے اپنے نزدیک مخلوق سے اپنے دل کو خالی کیا لیکن وہ اس وقت تعلق مع الحق سے بھی خالی ہے۔ تو شیطان نے میدان خالی پا کر اپنا قبضہ جمالیا۔ کیونکہ خالی میدان پر دشمن کا قبضہ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے۔ کہ تم نے سپاہیوں کے واسطے ایک گاڑی خالی کرانی جس میں چار بیٹھے تھے۔ لیکن غلطی یہ کی کہ چماروں کے اترنے کے ساتھ ہی سپاہیوں کو بھرنا شروع نہ کیا۔ بلکہ گاڑی کے خالی ہونے کا انتظار کیا۔ اب جس وقت گاڑی چماروں سے خالی ہوگی۔ اور سپاہیوں سے بھی خالی تھی۔ دشمن نے خالی دیکھ کر وہاں بستر جمالیا۔ تم کو چاہئے تھا کہ جو چمار اترتا جاتا۔ اس

کی جگہ ایک سپاہی کو بٹھاتے جاتے۔ تاکہ گاڑی خالی نہ ہوتی۔ اور دشمن کو سہولت سے قبضہ کرنے کا موقع نہ ملتا۔

اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بعض دفعہ تعلقات مباحہ بھی دل کے واسطے شیطان سے پہرہ دار ہوتے ہیں۔ کیونکہ دل بھرا ہوا تو ہے۔ گو تعلق مع اللہ سے نہ سہی۔ تعلقات مباحہ ہی سے بھرا ہوا سہی مگر میدان تو خالی نہیں تو دشمن وہاں نہیں آسکتا۔ (ایضاً، ص ۶۹، ۷۰) (اثرف المسائل ص ۷۱)

(۲۰) تحقیق تو ہم حجاب بہ بعض طاعات

حال : اس میں (یعنی تصانیف میں) جس قدر مشغول ہوتا ہوں نسبت کو ضعف ہوتا جاتا ہے۔

تحقیق : اس ضعف کی حقیقت التفات الی المقصود کا بواسطہ ہونا ہے اس کے مقابلہ میں جو قوت ہے وہ التفات بلا واسطہ ہے۔ جیسے محبوب کا مشاہدہ بواسطہ آئینہ کے کہ بار بار دل میقلر ہوتا ہے کہ آئینہ کی طرف پشت کر کے مڑ کر بلا واسطہ آئینہ کے محبوب کو دیکھ لوں۔ لیکن اگر محبوب کی رضا اور امر کی وقت وہی مشاہدہ بواسطہ ہو تو عاشق کو قرب اسی مشاہدہ بواسطہ میں ہوگا اگرچہ لذت انکشاف کی مشاہدہ بلا واسطہ میں زیادہ ہے۔ پس جس نے نسبت و تعلق خاص اس مشاہدہ بلا واسطہ کو سمجھا اس کو شبہ ہوگا مشاہدہ بواسطہ میں ضعف تعلق کا۔ والا فلا امر بالعکس۔ میں ہمیشہ سے وجداناً یہی سمجھتا ہوں کہ حدیث میں جو ہے انہ لیغان علی قلبی وہ غین یہی توجہ الی الخلق للارشاد ہے کہ وہ عین توجہ الی الحق بواسطہ مرآة الخلق ہے کہ عاشق بے صبری طبعی سے اس کو حجاب سمجھتا ہے۔

عالم تعلقات

(۲۱) جلوت و خلوت

یاد رکھنا چاہئے کہ ماسوا اللہ سے تین قسم کے تعلقات ہیں۔ تعلق محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے وہ تو عین تعلق حق ہے۔ اس کا قطع ناجائز ہے۔ تعلق مذموم جس سے شرع نے نہی فرمائی ہے۔ اس کا قطع واجب ہے۔ تعلق مباح جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اس میں قطع کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقلیل اور انہماک نہ کرنا ضروری ہے۔ پس جہاں قطع تعلق کی تعلیم ہے۔ مراد تعلق محمود نہیں بلکہ مذموم و مباح ہے۔ مگر مذموم بطور ترک کے اور مباح بطور تقلیل کے۔

(ص ۵۷، اشرف المسائل ص ۱۲۷)

اختلاط میں ایک نفع تو یہ ہے کہ تعلیم وتعلم اسی پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم وتعلم کا باب مسدود ہو جائے گا۔ دوسرے اختلاط میں خدمت خلق کا موقع ملتا ہے۔ جو شخص سب سے منعزل ہو گا وہ خدمت خلق کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ تیسرے جماعت کی فضیلت اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو شخص عزلت گزین ہو گا۔ وہ جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا۔ چونکہ نفع اختلاط میں یہ ہے کہ اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے جب آدمی مخلوق سے ملے گا تو بہت لوگوں کو اپنے سے افضل پائے گا۔ تو اس شخص کی نظر اپنے اعمال پر کم ہوگی کیونکہ اپنے سے افضل اعمال کو دیکھ کر سمجھے گا کہ میں کرتا ہی کیا ہوں۔ اللہ کے بعض بندے مجھ سے زیادہ عمل کر نیوالے ہیں اور عزلت میں دو سروں کے اعمال تو پیش نظر ہوتے نہیں۔ بس اپنے ہی اعمال پر نظر ہوتی ہے تو اس سے بھی بعض دفعہ عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ پانچواں نفع یہ ہے کہ اختلاط میں بزرگان

دین سے فیض حاصل ہو جاتا ہے۔ بدون اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل کرنا دشوار ہے۔ اب جو لوگ محقق نہیں ہیں وہ سلف کے کلام میں اختلاط کے منافع دیکھ کر ایک غلطی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ مطلقاً اختلاط کو عزلت پر ترجیح دینے لگے۔ اور عزلت کی مذمت کرنے لگے۔ (تھیل الاختلاط ص ۳۶)

عزلت میں ایک نفع یہ ہے کہ گناہوں سے اجتناب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ایسی عزلت نہ ہو۔ کہ تنہائی میں رہ کر روشن دان سے عورتوں کو گھورا کرے بلکہ ایسی عزلت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے۔ کان کی بھی حفاظت کرے۔ دل کی بھی حفاظت کرے کہ قصد کسی غیر کا خیال دل میں نہ لاوے۔ اگر آجائے تو ذکر میں مشغول ہو کر اسے دفع کر دے۔ ایسی عزلت میں واقعی گناہوں سے بہت حفاظت ہوگی اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت پر۔ تو عزلت اختلاط پر مقدم ہے۔ کیونکہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں مگر ساتھ ہی یہ مضرت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہو جاتے ہیں۔

شیخ سعدی ۴۳۳ پر ایک حکایت فرماتے ہیں:

بزرگے دیدم اندر کو ہمارے نشہ از جہاں در گنج غارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی کہ بارے بندے از در بکشائی
بگفت آنجا پر یرویان نغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

(ایضاً ص ۲۶)

دوسرے اختلاط کے ساتھ قلت کلام بہت دشوار ہے۔ یہ کام صدیقین و کاملین کا ہے ورنہ اکثر حالت یہی ہے۔ کہ اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنا پڑتی ہیں۔ اب اگر یہ دستور العمل رکھا جائے کہ جو شخص بھی ملنے آئے اس کے ساتھ خاطر مدارات و تعظیم و تکریم کا معاملہ کیا جائے اور گھنٹوں باتیں بنائی جائیں تو سارا وقت اسی کا ہو رہے۔ اپنا کوئی کام بھی نہ ہو گا۔ اور اگر ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا

دوسرے کے ساتھ نہ کیا تو اس کو ناگوار ہو گا اور جس کی تم نے خاطر مدارات کی تھی۔ اس کے ساتھ حسد پیدا ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ بہت خاطر مدارات ہوتی ہے۔ پھر یہ شبہ بھی ہونے لگے گا کہ شاید کسی نے شیخ سے میری شکایت کی ہوگی اسلئے میرے حال پر وہ عنایت نہیں جو دوسروں کے حال پر ہے۔ اب گمان ہی گمان پر کسی کی غیبت شروع کر دی جس سے دشمنی بڑھ گئی۔ دشمنی کے بعد رات دن اس کو اس کی ایذا کی فکر ہے۔ اس کو اس کی فکر ہے۔ بس اسی کے ہولنے نہ ذکر میں دل لگتا ہے۔ نہ نماز میں نہ تلاوت میں نہ کسی کام میں۔ ہر وقت فکر سوار ہے۔

تیسرے ضرر کثرت اختلاط کا یہ ہے کہ آپ کے وہ دوست صاحب ہر روز تمہارے پاس موجود ہیں۔ دو گھنٹے تین گھنٹے روز ضائع کرتے ہیں۔ کسی معمول کو لے کر بیٹھے تھے کہ دوست صاحب آگئے بس معمول تو رخصت ہوا ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے اسی طرح اوقات و اواراد کا بہت ناس ہوتا ہے۔

مگر ایک بات قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ قلت اختلاط سے بھی بعض دفعہ شہرت ہو جاتی ہے۔ اور شہرت دنیا و دین دونوں کے لئے مضر ہے۔ مگر تجربہ یہ ہے کہ اگر قلت اختلاط اول ہی سے اختیار کر لو۔ تو شہرت بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ لوگوں کی نظر میں یہ حالت کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ جانیں گے کہ اس شخص کی طبیعت ہی ایسی ہے اور اختلاط کے بعد اگر قلت اختلاط کرو گے تو شہرت ہو جائے گی۔ کیونکہ لوگوں کو ایک نئی بات معلوم ہوگی۔ کہیں گے کہ آج کل فلاں شخص چلہ کشی کر رہا ہے گوشہ نشین ہو گیا ہے پھر شہرت کے بعد چین نہ ملے گا۔

اسی زمانہ میں ایک بزرگ نے اختلاط کے بعد جو عزت حاصل کی تو پہلے سے زیادہ شہرت ہو گئی۔ مخلوق کا رجوع زیادہ ہو گیا بڑے پریشان ہوئے ایک دوسرے بزرگ نے ان کو لکھلے

آل روز کہ مہ شدی نمیلانستی کانگشت نمائے عالمی خواہی شد

یعنی اب کیا گھبراتے ہو جس دن تم چاند بنے تھے۔ اس دن تمہیں معلوم نہ تھا کہ چاند انگشت نمائے عالم ہوا کرتا ہے۔ اس لئے لازم تھا کہ پہلے ہی سے چاند نہ بننے یعنی اختلاط کر کے اپنے کو ظاہر نہ کرتے۔

بس شہرت کے طریقے سے بچنا چاہئے۔ اور اول ہی سے گمنامی اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ زیادہ شہرت دین و دنیا کیلئے ضرر رساں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

خویش رارنجور ساز و زار زار تا تراپیروں کنداز اشتہار

کیوں اس لئے کہتے

اشتہار خلق بند محکم است بند لیس از بند آہن کے کم است
ایش گوید نے منم ہراز تو آتش گوید نے منم انباز تو
چوبند خلق را سرمست خویش از بکرمی روداز دست خویش

یعنی جب وہ دیکھتا ہے کہ ساری دنیا میری معتقد ہے۔ کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی پیر تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ یہ تو دین کا ضرر ہے..... اور دنیا کا ضرر یہ

جہ

چشمہا و خشمہا و رشکبا بر سر تریزد چو آب از مشکبا

چنانچہ مشہور آدمی سے عام لوگوں کو بھی حسد اور رشک پیدا ہو جاتا ہے اور کام کی نظر بھی مشہور لوگوں پر زیادہ ہوتی ہے جب کوئی قصہ ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے مشہور لوگوں پر آفت آتی ہے۔ (ایضاً ص ۵۹)

غرضیکہ جاہ سے دین اور دنیا دونوں کا ضرر ہوتا ہے۔ اس لئے عزت میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے جس سے شہرت و جاہ حاصل ہو اور جو بدون طلب کے حاصل ہو وہ مضر نہیں ہوتی۔ اس میں خدائے تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے۔ اگر لوگ اس پر حسد کہیں اور اس کو برا بھلا کہنے لگیں تو حق تعالیٰ اس کے دل کو

قوی کر دیتے ہیں۔ جس سے کوئی اذیت اس کے نزدیک اذیت نہیں ہوتی نیز ان مصائب سے جو باطنی ترقی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ اسے قلب پر منکشف فرما دیتے ہیں۔ اور ہر واقعہ کی حکمت پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ اب اسے کچھ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ خوش ہوتا ہے۔

چوتھے اختلاط میں یہ ضرر ہے کہ اس میں ذکر کا موقع نہیں ملتا اور فکر کا موقع تو بہت ہی کم ملتا ہے۔ فکر تو اختلاط میں ہو ہی نہیں سکتا اس کے لئے تو یکسوئی اور تنہائی کی سخت ضرورت ہے اور فکر بہت بڑی چیز ہے حق تعالیٰ نے جہاں ذکر کا بیان فرمایا ہے۔ وہاں فکر کا بھی ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبہم ویستفکرون فی خلق السموات والارض﴾ یاد رکھو تمام علوم و اسرار کا ورود قلب پر فکر ہی کی برکت سے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ فکر کے بغیر علوم و اسرار قلب پر نہیں آتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ورود علوم و اسرار کی قابلیت بدون فکر کے حاصل نہیں ہوتی۔ قلب علوم و اسرار کے قابل فکر ہی سے ہوتا ہے۔ پھر قابلیت کے بعد بدون فکر کے بھی علوم آنے لگتے ہیں۔

اس وقت یہ حال ہوتا ہے

بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

جو شخص عرصہ تک فکر میں مشغول رہ چکتا ہے۔ اس کے بعد اختلاط میں بھی اس کے دل پر اسرار و علوم منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ تھوڑا بہت خلوت کیلئے بھی رکھے۔ اس لئے ہر سالک کے لئے ایک وقت خلوت کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہو۔ حضور ﷺ سے زیادہ کون ہو گا۔ آپ نے بھی اپنے لئے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تھے۔ اٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول

ہوتے تھے۔ حق تعالیٰ نے قیام لیل کی حکمت یہی بتلائی ہے۔ کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا۔ اسلئے رات کو اٹھنا چاہئے۔ ﴿ان ناشئة الليل هي اشد وطئاً واقوم قليلاً﴾ ان لك في النهار سبحا طويلا واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتلاً﴾ یعنی رات کے اٹھنے میں نفس پر مشقت بھی زیادہ ہے اور بات بھی اچھی طرح زبان سے نکلتی ہے۔ تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے کے بعد نماز وغیرہ میں زبان سے ذکر و قرآن میں سے جو بات نکلتی ہے۔ گویا دل سے نکلتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔ کہ دن میں آپ کو بہت شغل ہے۔ اس لئے رات کو اٹھنا چاہئے۔ اور اس وقت خدا کا ذکر کیجئے۔ اور اسی کی طرف یکسو ہو جائیے۔ یہ خلوت شب تو حضور نے عمر بھر اختیار کی اور نبوت سے پہلے چھ مہینے تک رات دن آپ خلوت میں رہتے تھے۔ اور غار حرا میں جا کر جو مکہ سے فاصلہ پر ہے تمنا رہتے تھے۔

جو لوگ ہر وقت اختلاط میں رہتے ہیں اور باتیں ہی بناتے رہتے ہیں۔ ان کا قلب خالی ہو جاتا ہے۔ اور دل کا خالی ہو جانا بہت ہی برا ہے۔ اس لئے چاہئے کہ ایک وقت خلوت کا ضرور ہو۔ جس میں قلب انوار ذکر و فکر سے پر ہو جائے۔ پھر اختلاط کے وقت علوم و اسرار ظاہر ہونگے اور اختلاط کے بعد پھر خلوت ہونی چاہئے تاکہ اختلاط سے انوار میں جو کمی ہوئی تھی وہ پوری ہو جائے اور جن لوگوں کا کوئی وقت خلوت کیلئے مخصوص نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ پھر بجائے علوم و اسرار کے ظلمانی اقوال ان کی زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

بزرگان دین خلوت میں جو علوم و اسرار بیان کرتے ہیں وہ خلوت میں ان کی تلقی کرتے ہیں اور گویہ مسئلہ فی نفسہ اختلافی ہے کہ عزلت بہتر ہے یا اختلاط۔ بعض صوفیہ نے اختلاط کو ترجیح دی ہے۔ اور وہ اس کے منافع بیان کرتے ہیں اور عزلت میں مفاسد بتلاتے ہیں۔ بعض نے عزلت کو ترجیح دی ہے اور اس

کے منافع بیان کئے ہیں۔ اور اختلاط میں مضرتیں بتاتے ہیں۔ جس کا سب سے اچھا فیصلہ حضور ﷺ نے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ”الوحدة خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدة۔“ یعنی نہ خلوة مطلقاً بہتر ہے نہ جلوت بلکہ ملنے والے بد ہوں تو ان سے علیحدگی اور خلوت ہی بہتر ہے نیک ہوں تو ان سے ملنا خلوت سے بہتر ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ آج کل جو حالات ہیں وہ مقفی خلوت ہی کی ترجیح کو ہیں۔ (ایضاً ۶۲ تا ۶۶)

فرمایا کہ فقراء جو خلوت اختیار کرتے ہیں۔ تو بعض محققین نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں یہ نیت ہونا چاہئے کہ لوگ ہمارے شر سے محفوظ رہیں۔ جس طرح سے مارو کر دم کا لوگوں سے جدا رہنا اسی مصلحت سے مناسب ہے اور یہ نیت نہ ہونا چاہئے کہ ہم دوسروں کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ اس نیت سے لازم آتا ہے کہ دوسروں کو اپنے سے بدتر جانیں اور یہ تکبر ہے جو فقری سے بفرخ بعید ہے۔ (مقالات حکمت حصہ چہارم و پنجم مخطوط نمبر ۹)

خلوت و جلوت میں قول فیصل

قول فیصل باب خلوت میں یہ ہے کہ جس شخص کی کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے متعلق ہو نہ دوسروں کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے تعلق ہو۔ اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے۔ خصوصاً ایام فتن و شرور میں۔ یا جبکہ مخالطت کئے خلیفان و تشویشات اور ایذاؤں پر صبر کرنے کی متوقع ہمت نہ ہو۔ احادیث میں جو ترغیب خلوت کی آئی ہے وہ ایسی ہی حالت میں ہے جیسے حدیث میں ہے ”و رجل معتزل فی شعب جبل له غنیمۃ یو دی حقہا و یعبد اللہ او کما قال“ اور جس شخص کو دوسروں سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو۔ خواہ دنیوی ہو۔ جیسے تحصیل نفقہ عیال جبکہ توکل پر قادر نہ ہو۔ خواہ دینی ہو مثل تحصیل علوم ضروریہ اس کیلئے خلوت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اسکے

ساتھ خلاق کی حاجت دنیویہ یا دینیہ متعلق ہوں تو بھی خلوت جائز نہیں۔ اور بعض احادیث سے جو نئی خلوت کی مفسوم ہوتی ہے وہ محمول ایسی ہی دونوں حالتوں پر ہے۔ جیسے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بتل سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت ان کو بھی تحصیل علوم دین کی حاجت تھی ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی طرف دینی حاجت تھی۔ بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ اور ترقی اسلام میں بہت بڑی ضرورت تھی۔ یہ تفصیل تو اس خلوت میں ہے۔ جس کو بطریق عادت دائمی کے اپنے لئے تجویز اختیار کرے۔ ایک خلوت چند روزہ ہے جس کی ضرورت مبتدی سلوک کیلئے واقع ہوئی ہے۔ اور صحابہ کو اس کی حاجت نہ تھی وجہ یہ کہ مقصود اصلی تو تحصیل نسبت قلبیہ مع اللہ ہے اور وہ بدون یکسوئی قلب کے میسر نہیں ہوتی پس صحابہ کو وجہ وسعت ظرف کے مشاغل جلوت اس یکسوئی سے مانع نہ تھے۔ ”کما قال اللہ تعالیٰ - لا تلهیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔“ اور ہم لوگوں کے طرف اس قدر وسیع نہیں لہذا جب تک تعلقات جلوت کی تقلیل نہ کی جائے اس وقت تک یکسوئی جو موقوف علیہ تحصیل نسبت کا ہے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی ضرورت چند روز کے لئے ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جب ملکہ یادداشت راسخ ہو جاوے۔ پھر اس تفصیل مذکور میں یہ شخص بھی داخل ہو جاتا ہے۔

(نکشف ص ۹۲)

(۲۲) معنی ذکر و فکر و تصور شیخ و رابطہ و فنا و ثمرات آنہا

سوال : ایک سالک کے سوال پر کہ :
خاندان نقشبندیہ میں جو (۱) اول ذکر فکر کے ساتھ بتلایا جاتا ہے۔ اور (۲) تصور شیخ اور پھر (۳) رابطہ اور (۴) فنا اور پھر (۵) گم شدنی اس کی تفصیل کی مجھے خاص ضرورت ہے۔ جس سے میں ہر ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لوں اور پھر ان سے کیا

کیا نفع مرتب ہوتے ہیں۔

کے جواب میں حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا

جواب : یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا البتہ جو ذکر اول بتلایا جاتا ہے وہ اسم ذات ہے۔ لیکن اس قید کیساتھ جو سوال کیا گیا ہے کہ فکر کے ساتھ اس کی تحقیق نہیں اور یوں ہر ذکر کے ساتھ فکر و احضار قلب ضروری ہے۔ البتہ متاخرین مشائخ نے اسم ذات کے ساتھ ہی شغل لطائف کا معمول رکھا ہے۔ حقیقہ میں کے یہاں یہ طریقہ نہ تھا یہ تو اسکی حقیقت ہے۔ باقی نفع ذکر کا ظاہر ہے بلکہ تمام تر منافع اسی کے ثمرات ہیں جس میں اصل نفع وہ ہے جو قرآن مجید میں موعود ہے فاذا ذکر وني اذکر کم، الاية (التکشف ص ۲۰ طریقت)

نمبر ۲ و ۳۔ تصور شیخ کا مفہوم عام ہے رابطہ کے مفہوم سے، کیونکہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اسکی طرف ممکنگی باندھ کر اور خیال کو سادھ کو دیکھا جاتا ہے۔ فیفرض کانه حاضر ناظر لکن تصور افقط لا اعتقادا فانه شرك ولذا يمنع منه العوام وهذا هو المراد في كلام بعض الاکابر حیث ادخل هذا في عموم قوله تعالیٰ ما هذه التمانیل الی انتم لها عاکفون۔

یہ تو حقیقت ہے اسکی۔ اور فائدہ اس کا شغل ہے شیخ کے ساتھ، جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے، چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے اسلئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں لکن لما كان ضرره للعوام اکثر من هذا النفع المذكور لم یغیر هذا النفع فی منعمهم منه اور تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لغۃ مفہوم ہوتی ہے۔ محل اس کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسدہ کا ہجوم ہو اور دفع کرنے سے مندرفع نہ ہوتے ہوں تو ختمی اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے

کرتا ہے۔ اور متوسط زیادت توجہ الی الذکر سے، کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جاوے گی حسب قاعدہ فلسفہ النفس لا تتوجه الی شئین فی آن واحد۔ دوسری طرف نہ رہے گی اور مبتدی چونکہ غائب یعنی مذکور کی طرف زیادت توجہ کا خوگر نہیں اور ذکر گواہی محسوس و مشاہد و مسموع ہے اور توجہ دشوار نہیں لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں اس لئے وہ جتنا نہیں اس سبب سے اس کے لئے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے اور خیال جمنے سے خطرات مندرج ہو جاتے ہیں مگر بعد اندفاع پھر اس تصور کو نہیں جمتے کہ اشتغال بغیر المقصود نخل اشتغال بالمقصود ہے۔

نہم و نہیہ یہ دونوں لفظ بھی متقارب المعنی ہیں صرف عموم و خصوص ہی کا فرق ہے، فنا عام ہے گم شدن خاص۔ کیونکہ فنا دو قسم ہے فنائے واقعی اور فنائے علمی۔ فنائے واقعی یہ کہ افعال و ملکات رویہ زائل ہو جاویں مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جاویں، قلب سے حب غیر اللہ حرص و طول ال و کبر و عجب و ریا وغیرہ سب نکل جائیں، اس کو فنائے واقعی اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز زائل ہوئی ہے یعنی افعال و ملکات رویہ وہ واقع میں بھی فنا ہو گئے بخلاف دوسری قسم، اس کو بعضے اصطلاحاً فنائے حسی بعضے فنائے جسمی بھی کہتے ہیں۔ اور فنائے علمی یہ کہ غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا باین معنی کہ جیسا التفات و استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا بلکہ ملکہ یادداشت کا راسخ ہو گیا۔ اور غیر سے ذہول ہو گیا جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ محبوب دل میں زیادہ بار ہوتا ہے غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے۔ ورنہ گنجائش نہیں ہوتی پھر اس کے مراتب حسب استعداد سالک مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ کسی کو استفراق محض ہو جاتا ہے، کسی پر سرک غالب ہوتا ہے، کوئی مجذوب محض ہو جاتا ہے، کوئی پھر

بعض احوال کی تکمیل کے لئے یا دوسروں کی تکمیل کے لئے علم بالاشیاء کی طرف عود کرایا جاتا ہے مگر ابتداء کے علم بالاشیاء سے یہ علم بالاشیاء کمّا و کیفّا و غایۃً مختلف ہوتا ہے۔ اس حالت کو بقاء کہتے ہیں جیسا کہ قسم اول میں بھی عین فنا کے وقت فانی کے اضداد کے حصول کا نام بقاء ہے اس قسم ثانی کو فنا علمی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز اس کے تعلق علمی سے خارج ہوگئی وہ واقع میں فانی و معدوم نہیں ہوئی۔ مثلاً ہم کو زید کا خیال نہ آیا تو واقع میں زید معدوم تو نہیں ہوا فنا کی اس دوسری قسم کا نام گم شدنی ہے پس مطلق فنا مقسم اور عام ہے اور گم شدنی اس کی ایک قسم اور خاص ہے۔

فائدہ قسم اول کا ظاہر ہے کہ ترک ہے مضرات شرعیہ کا۔ جس کو تقویٰ کہنا چاہئے۔ اور قسم ثانی کا فائدہ یہ ہے کہ یہی علم بالاشیاء بعض اوقات مفضی الی المعاصی ہو جاتا ہے۔ پس اسباب بعیدہ سے بچنا کمال ہے تقویٰ کا۔

التماس : میں نے کسی خاص جگہ سے نقل نہیں کیا بلکہ کچھ کتابی نظر سے کچھ صحبت شیخ سے کچھ ذوق سے لکھ دیا ہے شاید کسی جگہ اس سے کافی تر جلاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۳) بدلیعہ ترجیح استفادہ از شیخ زندہ براہل قبور

باطنی نفع زندہ شیخ سے زیادہ ہوتا ہے بالخصوص جس کا سلوک کامل نہ ہو۔ کیونکہ وہ بولنے پر قادر ہے ہر امر کو مفصل بتلا سکتا ہے اور اس کے بیان سے اپنے حالات و واردات کا ایہام دفع ہو جاتا ہے۔ بخلاف میت کے کہ صرف تقویت نسبت کا فائدہ تو اس سے ہوتا ہے مگر تعلیم و تلقین جو مدار اعظم ہے مفقود ہے۔ اور اگر خرق عادت کے طور پر کبھی تکلم کا اتفاق بھی ہو جاوے تب بھی یہ تفصیل اور بسط کماں نصیب ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تقریر بہ نسبت تحریر

کے زیادہ نفع ہے۔ کیونکہ تحریر میں بہت تفصیل ضبط نہیں ہو سکتی۔ پس شیخ کے حضور میں استفادہ افضل ہے غیبت میں خط و کتابت کرنے سے۔

اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہاں علم قال کو ترجیح دی جا رہی ہے اور پہلے مرجوح فرما آئے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ مرجوح قال ہے غیر اہل حال کا اور رائج قال ہے صاحب حال کا طالب کے لئے۔ کیونکہ اس کے قال میں دونوں امر یعنی قال و حال مجتمع ہیں اور ظاہر ہے۔ الاثنان خیر من الواحد (ترجمہ) ایک سے دو بہتر ہیں۔

لیکن یہ حجاب التفات اولی الی الذات سے مانع نہیں۔ گویہ التفات اجمالی ہی ہو۔ مبہم ہی ہو۔ مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں۔ وہ ذات کی طرف التفات اولی ہی سے مانع ہیں۔ یہ فرق ہے دونوں میں۔ اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں۔ بلکہ ان کی طرف التفات کی نفی ہے۔ (تحفیل المرام ص ۱۸)

لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق

میں لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں۔ تاکہ ذاکرین دھوکہ سے بچتے رہیں اور حظوظ نفس کے طالب نہ ہوں۔ یاد رکھو ذکر و شغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں۔ کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔ وہ غلبہ کے ساتھ وارد نہیں ہوتیں اور ان کی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماً ان میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور کیفیات نفسانیہ کا ورود غلبہ سے ہوتا ہے جن میں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے۔ گویہ اس میں مجبور و معذور ہو۔ مگر یہ کیفیت مطلوب و مقصود نہیں اور نہ ان کے لئے بقاء ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا

کیفیت روحانیہ اور لذت روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے۔ جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا کرے۔ جلدی نہ کرے اور کوئی چیز اس کو نماز سے مشغول نہ کرے یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ اور بدون نماز کے قلب کو چین نہ ملے۔ وقت آتے ہی نماز کیلئے دل بے چین ہو جائے۔ اسی کو خلوص اور احسان کہتے ہیں۔ یہ ہیں کیفیات روحانیہ۔ بخلاف ان کیفیات کے جو سا لکین کو وسط میں پیش آتی ہیں جیسے محویت اور استغراق وغیرہ، ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے۔ سو یہ کیفیات مقصود نہیں۔ اور جس کو خلوص حاصل ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے وساوس آتے ہوں اس حالت میں بھی اس کا طالب لذت و محویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

(کوثر العلوم ص ۶)

(۲۴) امور آخرت کا مراقبہ

احوال جو معین آخرت ہیں دوسرے وہ جو مضر آخرت ہیں۔

ایک وعظ کے سلسلہ میں فرمایا :

ایک مراقبہ کی تعلیم کی گئی القاء کے طور پر تو جی چاہا کہ اپنے بھائیوں کو بھی بتلادیا جائے اس وقت جو حالت میرے اوپر غالب تھی ویسی تو اب نہیں رہی مگر خدا تعالیٰ کی ناشکری کیوں کروں بجز اللہ اب بھی بہت بڑا اثر قلب پر ہے، وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں (یا کرنے

والے ہیں) یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید ہے۔ اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معین نہیں بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے، چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو اور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی اور رنج و غصہ میں بھی کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اسکے بعد آپ سے ان شاء اللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہو گا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گنہگار ہوں گے سرکش و غافل گنہگار نہ ہوں گے اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت متنبہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا اس سے دل پر ایک ایسا چرکہ لگتا ہے جس کے بعد معاً توبہ و استغفار کو دل چاہتا ہے۔

شاید یہاں کوئی ذہین بیٹھے ہو یا وہ اپنے دل میں یوں کہتے ہوں کہ یہ تو اور بھی برا ہوا کہ جان کر گناہ کیا تو اس وقت یہ شخص وَیْلٌ لِّلْجَاهِلِ مَرَّةً وَلِلْعَالَمِ سَبْعِينَ مَرَّةً (جاہل کے لئے ایک خرابی جاننے والے کے لئے ستر خرابیاں) کا مصداق ہو جائے گا تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ کرنا یہ کس نے کہا ہے کہ مطلقاً اشد ہے بلکہ علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرات بھی ہو۔ ورنہ اگر جرات نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں اور اس مراقبہ کے ساتھ جرات تو کبھی ہو سکتی ہی نہیں۔ تو اب یہ شخص بیدار گنہگار ہو گا کہ معصیت کو معصیت جانے کا غافل نہ ہو گا کہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں نے کوئی گناہ کا بھی کام کیا ہے یا نہیں۔ اور اس بیداری کا نتیجہ یہ ہو گا کہ معصیت کے ساتھ خثیت بھی ملی ہوئی ہوگی اور حضرت خثیت اور معصیت اگر دونوں ساتھ ساتھ ہوں تو گو وہ خثیت کامل نہ ہوگی۔ مگر اس کے ساتھ معصیت بھی کامل نہ رہے گی۔ یہ خثیت ایسی چیز ہے کہ معصیت اس کے ساتھ کامل نہیں ہو سکتی اگر کامل خثیت ہے جب تو گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتا اور اگر ناقص خثیت ہے تو اس کی وجہ سے معصیت بھی ناقص ہو جاتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے گرم پانی میں

تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا دو تو گو اس سے ٹھنڈا نہ ہو جائے گا مگر ویسا گرم بھی نہ رہے گا تو خشیت کے ساتھ معصیت کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس وقت آپ اگر غیبت بھی کرس گے تو دل کو حظ حاصل نہ ہو گا زبان سے غیبت کرس گے اور دل میں جوتے پڑتے ہوں گے کہ ہائے یہ میں نے کیا کیا۔ تو یہ تھوڑا نفع ہے اس مراقبہ کا، اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ اس مراقبہ کے بعد آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہو گا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر صدور ہو گا تو خشیت کے ساتھ ہو گا۔

اور اس مضمون کے اظہار میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کسی کو تجربہ ہوا ہو کہ خشیت کے ساتھ بھی گناہ ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت مولویوں کو جھوٹا کہتا ہو کہ یہ مولوی بھی بے پرکی باتیں اڑایا کرتے ہیں کہ خشیت و خوف دل میں پیدا ہو جانے سے گناہ نہیں ہوتے حالانکہ ہم نے تو آیات و عید و احادیث عقاب کا بہت مطالعہ کیا اور ان سے خوف بھی پیدا ہوا مگر پھر بھی گناہ موقوف نہیں ہوتے اس مضمون کو سن کر مولویوں کو جھوٹا نہ کہیں گے کیونکہ جیسا ان کو خشیت کے ساتھ گناہ صادر ہونے کا تجربہ ہوا ہو گا اس کے ساتھ یہ بھی تجربہ ہوا ہو گا کہ گناہ کے وقت دل میں ایک غلٹ بھی ساتھ ساتھ موجود تھی جس نے معصیت کو بھی ضعیف بنا کر گناہ بے لذت میں داخل کر دیا تھا تو صاحب جیسی خشیت آپ کو حاصل ہوئی تھی ویسا ہی اس نے اثر بھی کیا وہ بیکار تو نہ ہوئی پھر اب مولویوں کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں۔

”خشیت کے درجات“

بات یہ ہے کہ خشیت کے تین درجے ہیں۔ ایک خشیت اعتقادی یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے کیونکہ ایمان نام ہی ہے خوف ورجا کا پس اس درجہ سے تو

کوئی مسلمان خالی نہیں۔ مگر اعتقادی خثیت گناہوں سے روکنے میں کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ استحضار خثیت کی بھی ضرورت ہے یہ دو سری قسم ہے۔ پھر استحضار کے دو درجے ہیں ایک استحضار کامل دو سرے استحضار ناقص۔ استحضار کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہو سکتی مگر ہم لوگوں کو استحضار کامل حاصل نہیں اور اسی کی ضرورت ہے لیکن استحضار کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا اس کیلئے مشق کی ضرورت ہے پہلے آپ استحضار ناقص ہی کیجئے اس سے گو معصیت کا انعدام نہ ہو گا مگر تقلیل ضرور ہو جائے گی اور وہی کیفیت ہوگی جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ خثیت ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہوگی اور معاً توبہ و استغفار کی توفیق ہوگی وہ حالت نہ رہے گی جو پہلے تھی کہ گناہ کر کے دل پر جوں بھی نہ رہتی تھی پھر اسی حالت پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ استحضار ناقص سے استحضار کامل کی طرف ترقی کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ شاید کوئی شخص اس مراقبہ پر عمل کرے اور ترک معاصی میں پوری کامیابی نہ ہو تو مایوس ہو جائے۔ تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ان حضرات کو سمجھ لینا چاہئے کہ دو چار روز کی مشق سے استاد مشاق نہیں بنا کرتے بلکہ استاد بننے کے لئے عرصہ تک مشق کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

جیسے خوشنویسی حاصل ہو جاتی ہے چند روز کی کوشش سے مگر استاد بننے کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قرآن حفظ کر لینا تو چند روز کا کام ہے مگر اس کا قابو میں آ جانا ایک مدت چاہتا ہے۔ پھر ان کاموں میں کمال حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے سب کو معلوم ہے کہ کام میں لگا رہنا اور مشق کا جاری رکھنا ہی اس کا طریقہ ہے پس یہی طریق عمل اس مراقبہ میں بھی جاری رکھئے چند روز میں کامیابی نہ ہو تو گھبراؤ نہیں ناامید نہ ہو۔

ناامیدی را خدا اگر دن زودہ است (ناامیدی کی خدا نے گردن ماردی ہے)

مولانا فرماتے ہیں

کوئے نومیدی مرو کامید ہست سوئے تاریکی مرو خورشید ہست
(نامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت
سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے نامید نہ ہو بلکہ امیدیں رکھو)
اور ایک جگہ فرماتے ہیں

اندیس رہ میتراش وی خراش تا دم آخر دم فارغ مباش
(اس طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہو اور
آخری وقت ایک لمحہ بھی فارغ مت رہو)
یعنی یہ ایک دن کا کام نہیں ساری عمر کا کام ہے لگے رہو کوشش کرتے
رہو ان شاء اللہ ایک دن کامیاب ہو گے اور یہ حال ہو گا
تا دم آخر دے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود
(آخر وقت تو کوئی گھڑی آخر ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت
ربانی تمہاری ہمزاد و رفیق بن جائے گی)

اور یہ حال ہو گا

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعان غم مخور
کلبہ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
(یوسف گم شدہ کنعان میں واپس آجائے غم مت کھا غموں کا
تنگ و تاریک گھر کسی دن گلستاں ہو جائے گا غم مت کر)
ان شاء اللہ ایک دن یہ غم ختم ہو جاوے گا اور کامیابی سے دل مسرور
ہو گا (رَزَقْنَا اللّٰهَ تَعَالٰی وَاَيُّكُمْ الْوَصُوْلُ اِلَيْهِ اٰمِنْ۔ (۱۲ جامع) (اللہ تعالیٰ

ہم اور تم کو وصول الی اللہ نصیب فرمائیں)

میں دعوے سے نہیں کتا خدا کے بھروسہ پر کتا ہوں کہ اس مراقبہ کو جاری رکھوان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور کامیاب ہو گے (وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) جو لوگ ہماری راہ میں ہمیشہ مشقتیں برداشت کرتے ہیں ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے۔ وعدہ الہی ہے (۱۲ جامع) پس ہر کام پر اس حیثیت سے نظر کرو کہ یہ معین فی المقصود ہے یا مضر۔ پھر جو معین ہو اس کو اختیار کرو اور جو مضر ہو اس کو ترک کر دو۔

میں کوشش کرتا ہوں کہ جو بات میرے دل میں ہے وہ سامعین کے دل میں ڈال دوں، مگر کیونکر ڈال دوں یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور الفاظ اس کے لئے کافی نہیں اور یہ ان لوگوں کے اعتبار سے کتا ہوں جن کے دل میں یہ وارد پہلے سے نہ ہو اور جو پہلے سے اس کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اشارہ ہی سے سمجھ گئے ہوں گے مگر جو بات دل میں نہ پہنچائی جاسکے کم از کم اس کو کانوں میں تو ڈال دیا جاوے شاید کسی وقت ذوق حاصل ہو تو یہ کان میں پڑی ہوئی بات کام آئے گی اور چونکہ طویل مضمون یا دہمیں رہا کرتا اس لئے میں خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام سے پہلے اتنا سوچ لیا کرو کہ یہ نجات آخرت میں معین ہے یا نجات سے مانع ہے اور اس کا مستحضر ہر کام میں رکھو خواہ مباح ہو یا فرض و واجب یا اور کچھ۔

اور اسی غرض کے لئے میں نے اس وعظ کا نام (الاسعاد والابعاد تجویز کیا ہے۔ اسعاد کے معنی ہیں اعانت اور ابعاد کے معنی ہیں تنبیہ یعنی دور کرنا۔ کذا فی القاموس) تو یہ نام آپ کو اس مراقبہ کی یلہ دہانی کرائے گا کیونکہ وہ مراقبہ بھی اسی بات کا ہے کہ کونسا کام مقصود آخرت میں معین ہے اور کونسا مقصود سے دور کرنے والا ہے۔

(۲۵) توجہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے

شیخ کا خیال باندھنا اس قصہ سے کہ شیخ کے واردات اس کے واردات ہو جائیں۔ یہ مباح ہے اور یہی تصور مستقل شغل ہے۔ صوفیہ کے نزدیک اسی کو رابطہ کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میری طبیعت اس سے نفور ہے۔ اور وہ نفرت ایسی ہے جیسے بعض کو اوجھڑی سے نفرت ہوتی ہے۔ جس کو کراہت طبعی سمجھئے۔ اور وجہ نفرت یہ ہے کہ اس تصور میں بالکل مستغرق ہو جانا پڑتا ہے۔ تو اس سے طبیعت منقبض ہوتی ہے۔ کہ مخلوق کی طرف ایسی توجہ مستغرق ہو جس کے ساتھ دوسری توجہ جمع نہ ہو سکے۔ ایسی وجہ خاص حق ہے اللہ تعالیٰ کا۔

ذکر اور اس کے متعلقات

فرمایا ذکر دائم مقصود ہے جس کو جو کچھ ملا ذکر اللہ و اتباع سنت سے ملا۔ طرق ذکر کی تحقیقات و تہلکات ضروری نہیں۔ رائے شیخ سے اس میں تبدل ہو سکتا ہے۔ نسبت مع اللہ ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ یہ طرق و مجاہدات خاصہ معالجات نفس کے درجے میں ہیں۔ پس چاروں خاندانوں (سلسلوں) کا حاصل ایک ہی ہوا۔ اور ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب قبلہ چاروں خاندانوں میں اس وجہ سے بیعت فرمالیتے تھے کہ پھر کسی خاندان (سلسلہ) پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ حضرت میں ایک جامعیت کی شان تھی۔ (مقالات حصہ اول ملفوظ نمبر ۹۴) (اشرف المسائل ص ۵۰)

فرمایا تجلی ذاتی متبائے احوال میں سے ہے مقاصد و مقامات میں سے نہیں۔ مقصود رضاء حق ہے۔ ذکر رضاء کیلئے ہونا چاہئے اور زیادہ کیفیات کے

درپے نہ ہونا چاہئے۔ فاذا ذکر وني اذکر کم ارشاد ہے۔ پس ذکر حق پر ثمرہ مقصود یہی ہے کہ وہ ہمارا ذکر کہیں۔ رحمت و رضاء سے حالات کے درپے ہونا۔ خلاف شان طلب ہے کیونکہ حالات کا طالب خدا کا طالب کہاں ہے۔ ذکر دائم یعنی یادداشت ہونا چاہئے۔

زیادہ مجاہدوں پر قرب کا مدار نہیں۔ نہ یہ معیار کمال ہے بلکہ اس طریق میں اصل مدار احسان پر ہے جس کے لغوی معنی نیکوکردن عبادت ہے اور جس کی تفسیر اخلاص سے کی گئی ہے اور حقیقت اسکی ایک حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”الاحسان ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی تعبد الله مشابہا بانک تراہ“ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جبکہ اس کو دیکھتے ہوتے۔ کیونکہ تم اس کو اگر نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس کا بھی مقتضا وہی ہے جو تمہاری دیکھنے کی حالت کا مقتضا ہے اور خدا کا تم کو دیکھنا یقینی ہے۔ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے عبادت نہایت کامل ہوگی جیسے سرک کوٹنے والا مزدور اگر حاکم کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ لے تو اس وقت خوب کام کرتا ہے لیکن اگر مزدور کو حاکم خود نظر نہ آئے مگر کسی معتبر ذریعہ سے اسے معلوم ہو جائے کہ حاکم میرے کام کو دیکھ رہا ہے۔ تو اس وقت بھی اس کی وہی حالت ہوگی جو آنکھوں کے سامنے حاکم کو دیکھنے کے بعد ہوتی۔

اور مسلمانوں کیلئے خدا اور رسول کے ارشاد سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے جب قرآن و حدیث میں اسکی تصریح ہو چکی کہ حق تعالیٰ بندوں کے افعال کو دیکھ رہے ہیں تو ان کی حالت عبادت میں وہی ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ کو دیکھ کر ہوتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد بہت ہی اچھے طریق سے عبادت ہوتی اور وہ اچھا ہونا یہ ہے کہ ظاہر ارکان اس کے مکمل ہوں گے۔ اور باطن اس میں ریا وغیرہ کا خیال پاس بھی نہیں آسکتا۔ اس وقت تو اپنی بھی خبر نہ رہے گی۔

دوسروں کی تو کیا خبر ہوتی جن کو عمل دکھلانے کا خیال ہو۔ (اشرف المسائل ص ۴۲)

بعض دفعہ مجاہدہ کر کے سالک یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھ سے کبر زائل ہو گیا۔ اس نے جو ریاضت و مجاہدات میں ترک لذات کیا ہے وہ بطور علاج کیا ہے جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پرہیز کے کوئی قوی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ مضر ہوگی۔ اس کو عبادت و موجب قرب الہی نہیں سمجھتا۔ اب ان پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ یہ بدعت ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا تَحْرَمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾ کیونکہ بدعت اس وقت ہے۔ جب بطور تقرب ہو ورنہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ من الاسراف ان تاکل ما اشتہیت۔ پس مقصود ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کی قوت بے مہ کو غلبہ ہوتا ہے اور طاعات میں سستی و کاہلی یا معاصی کا تقاضا ہونے لگتا ہے۔ بعض اوقات اس وجہ سے بھی لذات متروک ہو جاتی ہیں۔ کہ غلبہ محبت الہی میں لذات کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا سو یہ ترک غیر اختیاری ہے۔ نہ سنت نہ بدعت (الانکشف ص ۶۴)

ریاضت سے اخلاق ذمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا مالہ ہو جاتا ہے یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاق رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے۔ بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخلی کرتا تھا اور ہند گان نیک پر غصہ کرتا تھا۔ اب نا مشروع جگہ بخل کرے گا اور مبغوضان الہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا۔ تو اسباب بعد اس طرح اسباب قرب بن گئے۔ اور اس سے اس اختلاف کا فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تبدیل اصول تو نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے ”اذا سمعتم برجل زال عن جبلة فلا تصدقوه“ اور تبدیل آثار و مصارف ہو سکتی ہے۔ اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (الانکشف ایضاً)

(ص ۷۹) (شرف المسائل ص ۴۴)

اس میں شک نہیں کہ ریاضت و مجاہدہ کی بدولت حیات روحانی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس طریقہ کی قید بندہ کیلئے ہے۔ اس کو کوشش کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ اس طریقہ کے مقید نہیں۔ وہ قادر ہیں اور کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں کہ بدون ریاضت و مجاہدات محض اپنے فضل سے دولت باطنی و حیات روحانی عطا فرمادیتے ہیں۔ وہ بیچون و چگون ہیں۔

توجہ کیساتھ اللہ اللہ کیا کیجئے۔ اور اس میں وساوس کے آنے کا اندیشہ نہ کیجئے۔ آپ اللہ اللہ کی طرف نگاہ خواہ لکھا ہوا سامنے رکھئے۔ چاہے لکھا ہوا فرض کر لیجئے کہ میں اسے لکھے ہوئے کو دیکھ رہا ہوں اور پڑھ رہا ہوں۔ یا ارادہ کے ساتھ ادا کیجئے۔ محض یاد سے نہیں کہ دھیان اور طرف ہو۔ اور لفظ اللہ زبان پر ہو بلکہ دل سے سوچ سوچ کے زبان پر لائیے۔ پھر ادھر توجہ رکھنے کی حالت میں وساوس خود بخود دفع ہو جائیں گے۔ اور اگر نہ بھی دفع ہوں تو کچھ مضرت نہیں۔ اور اگر آپ یہ چاہیں کہ خطرات میں بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہو۔ تو اس کا بھی طریقہ ہمارے حضرت قدس سرہ نے بتایا ہے کہ یہ سوچے کہ سبحان اللہ کیا قدرت ہے حق تعالیٰ کی کہ قلب میں بھی دریا سی موجیں پیدا کر دیں۔ تو پھر وہ سارے خطرات آئینہ جمال الہی بن جائیں گے۔ شیطان نے تو جال پھیلایا تھا حق سے دور کرنے کیلئے مگر اہل اللہ نے اس پر کیسا صیقل کر دیا کہ وہ اپنی سلیٹ کوری لیکر چلا گیا۔ اگر اب وہ دوبارہ آویگا بھی تولیٹ ہو کے آویگا مگر کہیں اس اطمینان پر آپ نہ لیٹ رہیں۔ (اسرار العبادہ ص ۵۰، وساوس - شرف المسائل ص ۱۶۲)

فرمایا کہ سالک یہ سمجھ کر پریشان ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے اندر سے پیدا ہو رہے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ شیطان خارج سے ان خطرات کو قلب میں ڈالتا ہے۔

جیسے کسی کو ٹھری میں غلہ بھرا ہو تو یہ بات نہیں ہے کہ وہ غلہ کو ٹھری کے

اندر سے پیدا ہوا ہو بلکہ وہ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے وہاں سے لاکر کوٹھری میں بھر دیا گیا ہے اھ۔

یہ تو حضرت والا نے خطرات کے وارد علی القلب ہونے کے متعلق تحقیق بیان فرمائی اور بعد وروادان کے واقع فی داخل القلب ہونے کے متعلق فرمایا۔

کہ اگرچہ بادی النظر میں ایسا متوہم ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے تمہ میں گھسے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہوتی۔ خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالی قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخل قلب میں متوہم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں ہوتے بلکہ ان کا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدہ راخہ ہوا کرتا ہے۔ (کما یفہم من قوله تعالیٰ ولما یدخل الایمان فی قلوبکم) نہ کہ خطرہ جو ایک محض وہمی اور سطحی چیز ہے اور کچھ بھی نہیں (کما یفہم من قوله علیہ السلام ان الشیطان جائم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس و اذا غفل وسوس - الحدیث وانظر فی التفاوت بین کلمۃ فی و کلمۃ علی)

پھر فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ پر کبھی بیٹھی ہو تو بوجہ اس کے کہ اس کا عکس آئینہ کے اندر پڑ رہا ہے وہ آئینہ کے اندر بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ہوتی ہے آئینہ کے اوپر اور جو چیز آئینہ کے اندر نظر آرہی ہے وہ کبھی نہیں ہے بلکہ کبھی کا محض عکس ہے جس سے آئینہ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ (اشراف السوانح ص ۲۸۵)

فرمایا۔ کہ شیطان اسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے جیسے چور اسی گھر میں نقب لگاتا ہے جس میں دولت ہوتی ہے۔ لہذا خطرات پر بجائے مغموں ہونے کے عقلاً خوش ہونا چاہئے کیونکہ شیطان کا قلب میں وسوسے ڈالنا قلب کے اندر دولت ایمان ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بشارت وارد ہے ذاک صریح الایمان جب سالک خوش ہو گا تو شیطان مایوس ہو

کر وسوسے ڈالنا ہی چھوڑ دے گا۔

اگر یہ شبہ ہو کہ گوارادہ وخلق خداوندی میں کوئی قباحت نہیں لازم آئی مگر بندہ کا غیر مختار ہونا تو لازم آگیا تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ ارادہ خداوندی خاص اس طریق سے متعلق ہوا ہے کہ بندہ باختیار خود یہ فعل کرے گا۔ سو اختیار عبد تو زیادہ موکدہ ثابت الوجود ہو گیا۔ یہ نہیں کہ مسلوب و معدوم ہو گیا ہو۔ جیسا خود ارادہ خداوندی افعال خداوندی کے ساتھ یقیناً متعلق ہے اور پھر بھی باتفاق اہل ملت اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں غیر مختار نہیں ہے۔ پس بفضلہ تعالیٰ سب اشکالات متعلق تقدیر کے رفع دفع ہو گئے مگر فہم و انصاف و طلب حق شرط ہے۔ یہ تفصیل اس شخص کی رعایت سے لکھی گئی ہے۔ جس کو از خود شبہ ہو جاوے ورنہ خالی الذہن کے لئے اس تفصیل کی حاجت نہیں۔

اسی طرح اس تفصیل کے بعد بھی جس کو وسوسہ آوے اس کو بھی آگے تفتیش جائز نہیں بلکہ ان دونوں قسم کے شخصوں کیلئے اجمالاً اس قدر اعتقاد کر لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور مالک کو بحیثیت مالک ہونے کے اپنے ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار کامل حاصل ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی قطعہ زمین میں کوئی مکان بنائے جس میں مختلف درجات ہوں کسی حصہ میں اپنی نشست گاہ بنائے جس کو ہزاروں آلات و فروش سے آراستہ کرے۔ دوسرے حصہ میں پاخانہ بنادے جہاں سینکڑوں من نجاست روز مرہ ڈالی جائے۔ پاخانہ یہ سوال نہیں کرتا کہ میں نے کیا جرم کیا تھا جو اس سزا کا مستحق ہوا۔ اور فلاں حصہ زمین نے کیا انعام کا کام کیا تھا جو اس عنایت کا مورد بنا۔ ہر عاقل اس سوال کا جواب یہی دے گا کہ مالک کو اختیار ہے۔ (البدائع ص ۶۲ تا ۶۱)

خطرات پر عقلاً خوش ہونے سے قلب میں قوت پیدا ہوگی اور پھر یہ قوت بھی خود معین ہو جائے گی دفع خطرات میں۔ اور جب خطرات دفع ہو جائیں گے تو پھر طبعی غم بھی جاتا رہے گا۔ اس طرح عقلی مسرت طبعی مسرت کا بھی سبب

ہو جائے گی۔

احقر مولف عرض کرتا ہے کہ اس کا مجھ کو بھی ذاتی تجربہ ہو چکا ہے کہ خطرات پر مغموم ہونے سے قلب میں سخت ضعف عارض ہو جاتا ہے جس سے خطرات کا اور زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور سخت اذیت پہنچتی ہے۔ اور اس امر کا عقلی اطمینان ہو جانے کے بعد کہ یہ خطرات نعوذ باللہ سوء اعتقاد سے ناشی نہیں ہیں بفضلہ تعالیٰ فوراً سکون طبعی بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اس اطمینان کے بعد پھر ان خطرات کا پورا اندفاع ورنہ کم از کم تقلیل ضرور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں بوجہ تبخیر احقر کے قلب و دماغ میں خطرات داہمہ کا سخت ہجوم تھا جس سے شدید غم و حزن طاری رہتا تھا۔ میرے استاد مکرم جناب مولانا سراج احمد صاحب سے بہ سلسلہ گفتگو جو ذکر آیا تو انہوں نے خود اپنے تجربہ کی بناء پر میرے احتمال تبخیر کی بہت قوت کے ساتھ تائید کی اور فرمایا کہ یہ حالت یقیناً تبخیر ہی کی وجہ سے ہے اور اس کی طبیی اصول پر اس طرح تقریر فرمائی کہ مجھ کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ ان خطرات کا سبب واقعی تبخیر ہی ہے نعوذ باللہ سوء اعتقاد نہیں بس اس کا یقین ہونا تھا کہ قلب کی تشویش فوراً دفع ہو گئی اور اسی وقت سے انقباض طبعی مبدل بہ انشراح و انبساط ہو گیا۔ پھر اس انبساط سے قلب کو قوت پہنچی جس نے تبخیر ہی کو دفع کر دیا کیونکہ غم بھی اکثر موجب تبخیر ہو جایا کرتا ہے۔ (اشراف السوانح ص ۲۸۶)

غرض کبھی عوارض طیبہ سے بھی خطرات کا ہجوم ہونے لگتا ہے بالخصوص ضعف قلب و دماغ۔ اور اس تبخیر سے جس کو اصطلاح طب میں دخان مراق سے تعبیر کرتے ہیں جس سے فساد متخیلہ عارض ہو کر انسان اوہام باطلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی خطرات کے غم سے بھی عوارض طیبہ لاحق ہو جاتے ہیں جو موجب ہو جاتے ہیں از دیاد خطرات کے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کبھی عوارض سبب ہوتے ہیں اور خطرات مسبب اور کبھی خطرات سبب ہوتے ہیں اور عوارض طیبہ مسبب۔ ایسی حالتوں میں طیب

جسمانی سے بھی رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت والا اکثر اہل ابتلاء کو یہ بھی مشورہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن فرمایا کرتے ہیں کہ خطرات غیر اختیاریہ خواہ کسی سبب سے ہوں نہ موجب مواخذہ ہیں نہ قابل اندیشہ و غم۔ گو طبعی حزن و غم مذوم نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے لیکن عقلاً بے فکری کو بہر حال غالب رکھنا چاہئے تاکہ وہ حزن طبعی مضحل ہو جائے اور موجب پریشانی نہ ہو۔

سالک کی اگر اپنی حالت اللہ تعالیٰ کی محبت کے قابل نہ بھی ہو تب بھی حسب بشارت انا عند ظن عبدي بی بی نیک گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور محبت حق کے آثار بھی موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بنایا اور دین کی فکر عطا فرمائی۔ اور خطرات منکرہ پر طبعی غم نصیب فرمایا جو صریح علامت ہے ایمان کی۔ اس مراقبہ محبت میں علاوہ اور منافع باطنیہ کے یہ بھی بڑا نفع ہے کہ یہ مراقبہ خطرات کے دفع کا نہایت قوی الاثر اور مجرب بلکہ ضروری علاج ہے کیونکہ خطرات منکرہ کی بناء پر سالک کو بوجہ غایت خشیت و ناواقفی اس حالت پر بعد کا اور اپنے اوپر مبغوض عند اللہ ہونے کا وہم ہو جاتا ہے جو درحقیقت خلاف واقع ہوتا ہے۔ لہذا بقاعدہ العلاج بالصدق اس وہم کا علاج محبوب عند اللہ ہونے کا مراقبہ ہے جو ایسی حالت میں مطابق حقیقت کے بھی ہے کیونکہ خطرات مومنین و مقبولین ہی کو پیش آتے ہیں۔ کافرین و مردودین کو پیش نہیں آتے۔

جس کا سبب یہ ہے کہ شیطان کافرین و مردودین کی جانب سے تو مطمئن رہتا ہے کیونکہ وہ تو گمراہی میں اسکا کامل اتباع کر ہی رہے ہیں۔ اور جب ایسے ضرر عظیم میں ان کو مبتلا کر رکھا ہے تو اس کو ضرورت ہی کیا ہے کہ پھر خطرات میں جو مطلق مضر دین ہیں ان کو مبتلا کرے (اور یہی مضمون اختصار کے ساتھ عنقریب جزو سوم میں بسلسلہ احادیث بضمن شرح حدیث ذاک صریح الایمان امام نوویؒ سے عبارت وقیل معناه آخ میں منقول ہوگا) البتہ مومنین و مقبولین کے درپے رہتا ہے کہ اگر ہو سکے تو ان کو خطرات کے ذریعہ سے گمراہ کرے ورنہ کم از کم

پریشان ہی کرے۔ لہذا اس کی خواہش کو ہرگز پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی خطرات منکرہ کو عقلاً منکر سمجھا جائے اور اپنے اختیار کو ان سے ہرگز متعلق نہ ہونے دیا جائے نہ حد و ثانیہ بقاء نہ ان کے مقتضاء پر عمل کی نوبت آنے دی جائے۔ اور بجائے مغموم ہونے کے خطرات کو علامت ایمان سمجھ کر اس پر عقلاً مطمئن اور مسرور رہے کہ بحمد اللہ میرے عقائد تو صحیح ہیں۔ اور اسی جزو دوم کے حصہ اول کے فقرہ (د) میں جو حضرت والا کا ارقام فرمایا ہوا دستور العمل ہے اس کو اپنا معمول بنا کر بے فکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کو ذکر و طاعت اور ضروریات دینیہ و دنیویہ میں بلا لحاظ دلچسپی و عدم دلچسپی مشغول رکھا جائے۔ بلکہ حسب تحقیق حضرت والا امور مباحہ کا بھی قدرے شغل رکھا جائے کہ وہ بھی وقایہ ہو جاتے ہیں خطرات منکرہ کا۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۷)

فرمایا کہ خطرات کو دفع کرنے کے ہرگز درپے نہ ہونا چاہئے ورنہ وہ اور زیادہ ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ شیطان کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جتنا اس سے ڈر کر بھاگا جائے اتنا ہی وہ اور زیادہ بھونکتا ہے۔

مصائب کی علل سمجھنے میں اسباب پرستوں کی کوتاہ نظری

اور اگر کچھ متنبہ ہوتا ہے تو اس سے احترازی تدابیر سوچتے ہیں اور صرف اسباب ظاہری پر نظر کرتے ہیں سبب اصلی کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اور کہو کہ جو مصیبت آتی ہے گناہوں ہی کی وجہ سے آتی ہے۔ ہوا آگ پانی وغیرہ سب خداوند کریم کے حکم کے تابع ہیں ان کو جب حکم ہوتا ہے اور جیسا حکم ہوتا ہے ویسا ہی وہ کرتے ہیں۔

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند امن و تو مردہ باحق زندہ اند

یہ ہمارے سامنے مردہ معلوم ہوتے ہیں ورنہ واقع میں سب زندہ

اور تابع فرمان ہیں۔

حکایت : ایک کافر بادشاہ نے بہت سے مسلمانوں کو آگ میں ڈال دیا تھا کیونکہ وہ لوگ بت کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے تھے آخر ایک عورت کو لایا گیا اور اس نے بھی سجدہ کرنے کو کہا گیا تو اس نے بھی انکار کیا اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گود سے بچہ لیکر آگ میں پھینک دو چنانچہ پھینک دیا گیا قرب سب تھا کہ وہ عورت سجدہ کر لے کہ لڑکے نے آواز دی

اندر آما در کہ من اینجا خشم گرچہ در ظاہر میان آتشم

اس کے بعد اس بچہ نے اور لوگوں سے بھی خطاب کرنا شروع کیا کہ یہاں آؤ یہاں آؤ بہت بڑا عجیب باغ ہے پھر تو یہ حالت ہوئی کہ لوگ بے قرار ہو کر اس میں کودنے لگے سپاہی روکتے تھے مگر لوگ برابر آگ میں کودتے تھے۔ جب بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو آگ کو خطاب کر کے کہا کہ اے آگ کیا تو آگ نہیں رہی یا تجھ میں سے جلائی کی قوت سلب ہو گئی تو آگ نے جواب دیا کہ

گفت آتش من همانم آتشم اندر آتا تو بہ بنی تابشم

یعنی تو اندر آئے تو معلوم ہو کہ میں آگ ہوں یا نہیں باقی ان کو کیونکر جلاؤں اس لئے کہ چھری کاٹتی ہے مگر چلانے سے

طبع من دیگر گشت و عزم تیغ حقم ہم بدستوری برم

جس قدر مصائب آتے ہیں سب حکم خداوندی سے نازل ہوتے ہیں اور سب اصلی جرائم و معاصی ہوئے کہ ان سے غضب حق ہوتا ہے اور پھر حکم سے بلا اور مصیبت نازل ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم آن زیبا کی و گستاخی است ہم

غم چو بنی زود استغفار کن غم با مر خالق آمد کا رکن
تو جب کوئی مصیبت دیکھو فوراً استغفار پڑھو سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے۔

بدیعہ توضیح حقیقت خلق و فعل مع قطع شبہات متعلق تقدیر

فعل و خلق کی حقیقت اور ان میں جو فرق ہے اس کو دریافت کرنا ضروری ہے۔ اس کو ایک محسوس مثال میں سمجھو کہ ایک بڑا بھاری پتھر ہے کہ زید جو کہ آقا ہے اس کو تنہا آسانی سے اٹھا سکتا ہے مگر عمرو جو کہ غلام ہے اس سے ہلکا تک بھی نہیں۔ زید نے عمرو سے کہا کہ اس پتھر کا اٹھانا ہمارے قانون میں جرم ہے اور گو اس کو کوئی اٹھا نہیں سکتا۔ مگر ہم نے امتحان کے لئے اپنا معمول مقرر کیا ہے کہ جو اس کے اٹھانے کے ارادہ سے اس کو ہاتھ لگاتا ہے ہم اٹھوا دیتے ہیں مگر یہ اٹھانا اس کی طرف بلس وجہ منسوب کیا جاتا ہے کہ اس نے ارادہ کیوں کیا جس پر ہمارا اٹھانا مرتب ہوا اگر وہ ارادہ نہ کرتا تو ہم اس پتھر کو نہ اٹھاتے اور وہ مجرم نہ قرار دیا جاتا۔ غرض زید کے اس قانون اور معمول پر مطلع ہونے کے بعد عمرو نے پتھر کے پاس پہنچ کر اس کو بارادہ اٹھانے کے ہاتھ لگایا اور اٹھانے پر آمادہ ہوا زید نے حسب اپنے معمول کے فوراً وہ پتھر اٹھوا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس صورت میں عمرو ہی کو مجرم قرار دے گا زید پر کسی قسم کا الزام نہیں رکھ سکتا۔ بس اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندے کو ارادہ و قوت کسب عطا فرمائی مگر وہ ایجاد فعل کے لئے کافی نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا معمول مقرر کیا ہے کہ جب بندہ کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ پس مطابق مثال مذکور کے جو کچھ اعتراض ہے بندہ پر ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ منزہ و پاک ہے۔ اگر یہ شبہ ہو کہ قبیح کا فاعل ہونا اگر قبیح ہے تو خالق ہونا بھی قبیح ہونا چاہئے۔ اس کا حل یہ ہے کہ یہ قیاس غلط ہے۔ فعل قبیح اس لئے قبیح ہے کہ اس میں مفاسد غالب ہیں اور اس کے فعل میں کوئی حکمت واقعہ صحیح نہیں بخلاف خلق قبیح کے کہ اس میں ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ البتہ ان حکمتوں کا مفصل علم ہر ایک کو نہیں ہوتا۔ مگر کسی شے کے علم نہ ہونے سے اس کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا۔ فعل قبیح میں حکمت نہ ہونے اور خلق قبیح میں حکمت ہونے کے لئے صرف یہ اجمالی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ باتفاق اہل عقل و نقل حکیم ہے اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور فعل قبیح کو اس نے منع کیا ہے تو ضرور فعل قبیح خالی از حکمت ہے۔ اسی واسطے حکیم نے منع کر دیا اور خلق قبیح خود ان کا فعل ہے تو ضرور اس خلق میں کوئی حکمت ہوگی اسی لئے اس کو اختیار کیا۔

اس فرق کے دریافت کرنے سے بہت شبہات با آسانی دفع ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اگرچہ خلق قبیح ارادہ عبد پر مرتب ہے اور اس لئے خالق پر الزام نہیں مگر اس فعل کے ساتھ جو ارادہ خداوندی کا تعلق ہے وہ تو ارادہ عبد پر مرتب نہیں بلکہ ارادہ عبد خود اس پر مرتب ہے تو اب اشکال پھر عود کر آوے گا۔ سو یہ شبہ بھی اس تقریر بالا سے جو عنقریب مذکور ہوئی، زائل ہو گیا۔ کیونکہ وہ ارادہ خداوندی مشتمل ہزاراں ہزار مصالح پر ہے اس لئے وہ قبیح نہیں، بخلاف فعل عبد کے بوجہ مفاسد کے قبیح ہے۔

طریقت حقیقت تہذیب اخلاق

ریاضت سے اخلاق ذمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا مالہ ہو جاتا ہے یعنی

ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاق رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگان نیک پر غصہ کرتا تھا اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مغضبان الہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا۔ تو اسباب بعد اس طرح اسباب قرب بن گئے اور اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں اس سے معلوم ہو گیا تبدیل اصول تو نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے ”اذا سمعتم برجل زال عن جبلة فلا تصدقوه“ اور تبدیل آثار و مصارف ہو سکتی ہے اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (التکشف، طریقت ص ۷۹)

اعتراض۔ مسلمان کبار اس لئے زیادہ کرتے ہیں کہ انکے عقیدہ میں کبار معاف ہو سکتے ہیں۔

جواب نمبر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اقدام جرائم اگر اس عقیدہ اسلام کا ثمرہ ہوتا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ جن لوگوں کو اسلام سے جتنا زیادہ تعلق ہے۔ مثلاً علماء، اقلیاء و صوفیہ ان میں یہ ثمرہ زیادہ ظاہر ہوتا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ مذہب کے ثمرات کا نظور ان ہی لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو مذہب سے تعلق زیادہ ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں اور کفار بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلام سے تعلق زیادہ ہے۔ وہ جرائم کا ارتکاب تو کیا کرتے۔ وہ تو شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ایک دوست کا جو کہ بی۔ اے ہیں۔ واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے ان کے پاس اسباب ۱۵ سیر سے زیادہ تھا۔ اسٹیشن پر تنگی وقت کی وجہ سے وہ اس کو وزن نہ کرا سکے۔ اس وقت تو جلدی میں سوار ہو گئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جا کر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کرا سکا۔ اب آپ اس کو وزن کر لیں اور جو

محصول میرے ذمہ ہو اس کو وصول کر لیجئے۔ بابو نے انکار کیا۔ کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لیجاؤ۔ ہم تم سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں آپ کو محصول مجھ سے لے لینا چاہئے۔ مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اس نے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف سامان لیجائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی وہ یہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہو گا (کیونکہ ان کی صورت ملائوں کی سی تھی) غرض ان دونوں نے اس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شراب پئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ صاحب میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو۔ اس پر وہ دونوں بولے کہ صاحب ہم تو اس وقت اسباب وزن نہیں کر سکتے۔ آخر یہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ تعالیٰ اب میں ریلوے کے اس حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں؟ آخر خدا نے امداد کی اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جائے۔ اس طرح ریلوے کا حق اسکو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

میرے ایک اور دوست کا جو کہ بڑی کلکٹر بھی تھے۔ واقعہ ہے کہ ان کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا۔ جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا مگر اس کی عمر تقریباً ۱۳ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدہ سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے۔ انہوں نے اس کا پورا ٹکٹ لینا چاہا۔ تو ساتھیوں نے بہت منع کیا۔ کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے۔ آپ آدھا ٹکٹ لے لیجئے۔ کوئی کچھ نہ کہے گا۔ انہوں نے کہا کہ بندے

کچھ نہ کہیں گے تو کیا حق تعالیٰ بھی باز پرس نہ فرمائیں گے کہ تم نے دوسرے کی چیز میں (تھوڑی اجرت) بدوں اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا۔ غرض انہوں نے پورا ٹکٹ لیا۔ اور ان کے ساتھی ان کو بیوقوف بناتے رہے مگر اوست دیا نہ کہ دیوانہ نہ شد۔ بھلا اس کی نظیر کوئی قوم بھی دکھلا سکتی ہے کہ ایک شخص کو ریل بابو اور اسٹیشن ماسٹر خود کہہ دے کہ تم بلا تکلف اسباب لیجاؤ۔ ہم محصول نہیں لیتے۔ اور وہ پھر بھی ان پر اصرار کرے کہ نہیں تم کو محصول لینا پڑے گا۔ تم کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اور جب وہ کسی طرح وصول نہیں کرتے تو یہ محض خدا کے خوف سے ریلوے کا ٹکٹ مقدار محصول کے برابر خرید کر چاک کرتا ہے۔

اور یہ صورت شہادت سے احتراز کرنے کی عام لوگوں کی نظروں میں ہے ورنہ حقیقت میں یہ شہادت کی قسم سے نہیں بلکہ صریح واجب کا امتثال ہے پس اگر اس عقیدے کا اثر اقدام علی الجرائم ہوتا تو علماء و صلحاء سب سے زیادہ بیباک اور جرائم پر اقدام کرنے والے ہوتے۔ حالانکہ مسلمانوں میں یہ طبقہ جو اسلام کے حقیقی مرتبے کو پہچانتا ہے۔ سب سے زیادہ جرائم سے بچنے والا اور شہادت سے احتراز کرنے والا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عقیدہ کا یہ اثر نہیں ہے۔ جو ان معترضوں نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا اثر جرائم سے رکنا اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوتا ہے۔

جس کی وجہ میں عنقریب بتلاؤنگا۔ کہ اس عقیدے کا اثر گناہوں سے نفرت پیدا ہونا کس طرح ہے مگر افسوس

چشم بد اندیش کہ برکنہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

ایسا پاکیزہ مسئلہ جو جرائم کی جڑ کاٹنے والا ہے۔ بداندیش کو اقدام جرائم کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ یہ جواب تو مشاہدہ کے متعلق ہے۔ کہ حساً و مشاہدہ

اس عقیدہ کا یہ اثر جو تم بتلا رہے ہو غلط ثابت ہو رہا ہے۔

جواب نمبر ۲۔ اور جواب عقلی اس کا یہ ہے۔ کہ یہ عقیدہ عقلاً اقدام جرائم کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں گے۔ باوجود کبار کے عذاب سے معاف کر دیں گے۔ جس میں تعین کسی کی نہیں ہے۔ یعنی کسی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الہی بصورت عفو ہے یا بصورت عذاب (نظر الی اصل الاستحقاق قانوناً) پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بے فکر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جائے۔

اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک عین شخص شرم و ندامت کی وجہ سے خود کشی پر آمادہ ہو کر سکھیا استعمال کرے۔ اور اتفاقاً وہ سکھیا کھا کر ہلاک نہ ہو بلکہ سکھیا ہضم ہو کر اس کے اندر قوت مردی پیدا کر دے۔ چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سکھیا کھانے پر جرات ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے۔ کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا۔ مگر اتفاقاً اس شخص میں اسکی خاصیت کا ظہور نہ ہوا۔ تو اس سے یہ خاصیت نہیں بدل گئی۔ اسلئے مردانگی بڑھانے کیلئے سکھیا کھانے کی کوئی نہ اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہر شخص اس پر جرات کر سکتا ہے۔

علیٰ ہذا سب لوگوں کو معلوم ہے کہ بعض دفعہ حکام و سلاطین مرام خروانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کر دیتے ہیں۔ مگر اس علم کی وجہ سے ہر شخص کو قتل پر جرات نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصلی سزا تو قتل ہی ہے اور عمل بھی اکثر اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مرام خروانہ کوئی قانون نہیں۔ بلکہ محض حاکم کی مشیت پر ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ مرام خروانہ کا برتاؤ کرے کس کے ساتھ نہ کرے۔ لہذا مرام خروانہ کے بھروسہ پر اقدام جرائم کی جرات نہیں ہو سکتی۔ بعینہ اسی طرح کبار کا بدون

عذاب کے معاف ہو جانا بطور مراحم خسروانہ کے ہے۔ پس اس مسئلے کو اقدام جرائم کا سبب کیونکر سمجھ لیا گیا۔

بھلا اگر کوئی شخص جنگل میں پاخانہ کرنے جائے اور اتنبجے کیلئے ڈھیلا توڑتے ہوئے اس کو زمین میں سے سونے کا گھڑا مل جائے۔ تو کیا اس اتفاقی بات پر بھروسہ کر کے کوئی شخص بھی تجارت و زراعت سے مستغنی ہو کر بیٹھ سکتا ہے۔ کہ مجھ کو بھی اسی طرح پاخانہ کرتے ہوئے سونے کا گھڑا مل جاوے گا۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح اتفاقاً کسی مرتکب کبائر کا بدون عذاب کے بخش دیا جانا اتفاقی ہے اس لئے یہ اقدام جرائم کا سبب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مگر پھر بھی جو لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اپنی طبیعت کے خبث سے ایسا کرتے ہیں اس عثمیہ سے کو اس میں لیا، خل۔

جواب نمبر ۲۔ پھر یہ جو بعض گنہگاروں کی مغفرت بدون عقاب کے ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مغفرت کیونکر ہوگی۔ یہ بھی کسی عمل صالح ہی کی وجہ سے ہوگی۔ ابو داؤد کی ایک حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی مقدمہ میں حضور ﷺ کے سامنے جھوٹی قسم کھائی اور اس طرح کہا ﴿اشہد باللہ الذی لا الہ الاہو ما فعلت ذلک﴾ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ ﴿فقال رسول اللہ بلی قد فعلت لکن غفرا للہ لک باخلاص قول لا الہ الاہو﴾ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو نے یہ کام ضرور کیا (اور تیری قسم جھوٹی ہے۔ جس کا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے) لیکن حق تعالیٰ نے تجھے اس اخلاص کی برکت سے بخش دیا جو لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے تجھ سے صادر ہوا۔ نہ معلوم اس وقت کس دل سے اس نے خدا کا نام لیا تھا۔ جو اس درجہ مقبول ہو گیا (یعنی اس نے خدا کا نام اس وقت کامل اخلاص سے لیا تھا۔ اس کی برکت سے حلف کا زب کا گناہ معاف ہو گیا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور نے ڈگری اسی کی کردی۔ بلکہ محض اس گناہ کی مغفرت کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ کیونکہ

جب وحی سے اس کا کاذب فی الحلف ہونا معلوم ہو گیا۔ تو اب ڈگری اس کے حق میں کیوں کر ہو سکتی تھی۔ تو دیکھئے گناہ کتنا سنگین تھا کہ جھوٹی قسم کھائی اور وہ بھی حضور ﷺ کے سامنے۔ کہ حضور کے سامنے جھوٹی قسم کھانا ایسا ہے جیسا خدا کے سامنے۔ اور ظاہر ہے کہ محل وزمان کی عظمت سے بھی فعل میں عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔

زنا کرنا گناہ ہے۔ مگر مسجد میں زنا کرنا اور بھی اشد ہے۔ اور اگر کوئی نامعقول کعبہ شریف میں ایسا فعل کرے۔ تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔ مگر حضور ﷺ کے سامنے اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ آپ نائب خدا ہیں۔ آپ کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے۔ جیسی خدا کے سامنے ہو۔ شاید کوئی یہ کہے کہ ہم تو اس وقت بھی جو کچھ کرتے ہیں۔ سب خدا ہی کے سامنے ہے۔ اور جس جگہ جو کام ہو گا۔ وہ خدا کے سامنے ہو گا تو چاہئے ہر جگہ وہ گناہ ہو جو حضور کے سامنے جھوٹی قسم سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تم تو خدا کے سامنے ہو مگر خدا تمہارے سامنے نہیں۔ اور میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کے سامنے قسم کھانا ایسا ہے۔ جیسا خدا کو سامنے سمجھ کر قسم کھانا۔ خلاصہ یہ کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب حسی۔ یہ تو جہاں ہوتا ہے طرفین سے ہوتا ہے اور ایک قرب علمی۔ یہ ایک طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ پس اس وقت جو تم خدا کے سامنے ہو۔ یہ قرب علمی ہے کہ خدا تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال مخفی نہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر اس حالت میں تم کو قرب حاصل نہیں۔ ورنہ ہر شخص کا مقرب ہونا لازم آئے گا۔ اور قیامت میں جو تم خدا کے سامنے ہو گے وہ قرب جانبین سے ہو گا۔ کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے سامنے ہو گے۔ اور خدا تعالیٰ بھی تمہارے سامنے ہوں گے ﴿نَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ میں قرب علمی مراد ہے۔ اسی لئے یہ نہیں فرمایا۔ کہ تم بھی ہم سے قرب ہو۔ بلکہ صرف اپنا قرب بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہاں تماشا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہم سے

قرب ہیں۔ مگر ہم ان سے دور ہیں۔

یار نزدیک ترزمن بہ من است

من عجب ترکہ من ازوے دورم

تو حضور ﷺ کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے۔ جیسی قیامت میں خدا کے سامنے جھوٹی قسم کھانا۔ جبکہ تم بھی حق تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھو گے۔ (عائن الاسلام ص ۹)

چوتھا جواب یہ ہے کہ بعض گناہوں کا بدون عقاب کے معاف ہو جانا یہ حق تعالیٰ کا عفو و کرم ہے۔ اس کو سن کر لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ حق تعالیٰ بڑے ہی رحیم و کریم ہیں۔ جو اپنے بندوں پر بے حد عنایت فرماتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ طبائع سلیمہ میں عنایت و کرم سے اطاعت و عبادت کو ترقی ہوتی ہے۔ نہ کہ سرکشی کو۔ اگر آقا کی عنایات زیادہ ہوں تو اس کی اطاعت کا شوق بڑھتا ہے۔ وہ نوکر بڑا ہی پا جی ہے جو آقا کی بیحد عنایات کے بعد بھی سرکشی ہی کرے۔ طبائع سلیمہ تو احسان و کرم و عنایات سے بندہ بے درم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے یہ عقیدہ اقدام علی الجرائم کا سبب ہرگز نہیں۔ بلکہ جرائم و سرکشی کی جڑ کاٹنے والا ہے۔ جن لوگوں کی طبائع سلیم ہیں۔ وہ خدا کی ان نعمتوں اور عنایتوں کو دیکھ کر اور زیادہ عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ اسلام سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں ان میں یہ اثر مشاہد ہے۔ اب اگر اس عقیدہ سے کسی میں اقدام جرائم کا وصف پیدا ہو۔ تو کہا جائے گا کہ یہ اس عقیدہ کا اثر نہیں۔ بلکہ اس شخص کی کجی طبع کا اثر ہے۔

جیسا بادشاہ کا کریم ہونا طبائع سلیمہ کیلئے زیادت و فاداری کا سبب ہوتا ہے۔ گو بعض نالائق بادشاہ کے کرم کی وجہ سے جرائم پر بھی دلیر ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا اس کا سبب بادشاہ کے کرم کو کہا جائے گا یا ان کی بد طبیعتی کو۔ اس کا فیصلہ عقلاء

خود کر سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کو آیت ﴿لَا تَغْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ سے دھوکا ہوا ہے۔ اور وہ بے فکر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یقیناً سب گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ لمن شاء کی قید نہیں ہے سو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اول تو یہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول ان لوگوں کے بارے میں ہوا ہے۔ جو کفر سے اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ مگر ان کو اسلام سے یہ خیال مانع تھا کہ ہم نے حالت کفر میں بڑے بڑے جرائم کئے ہیں۔ ان کا کیا حشر ہو گا۔ آیا اسلام کے بعد ان پر مواخذہ ہو گا یا نہیں۔ اگر مواخذہ ہوا تو پھر اسلام سے ہی کیا فائدہ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ کفار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا لو اسلمنا فما یفعل بذنوبنا الّٰہی اسلفنا (او کما قالوا) کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے گناہوں کے متعلق کیا برتاؤ ہو گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بعد پہلے گناہ جو حالت کفر میں کئے گئے ہیں۔ سب معاف ہو جاویں گے۔ پس اس میں جو مغفرت کا وعدہ حتیٰ ہے۔ وہ عام نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اور لوگوں کے گناہ بدون عقاب کے معاف نہ ہوں گے۔ نہیں دو سروں کے بھی معاف ہوں گے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لیکن ان کیلئے وہی وعدہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہے۔ ﴿و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ جس میں حتیٰ وعدہ نہیں کیا۔ بلکہ مشیت کی قید سے مشروط ہے اور اس آیت میں جو بلا قید وعدہ حتیٰ کیا گیا ہے۔ یہ صرف نو مسلموں کیلئے ہے۔ کہ اسلام سے ان کے پہلے گناہ ضرور معاف ہو جاویں گے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور شان نزول مثل تفسیر کے ہے۔ مت سے نصوص بظاہر عام ہیں۔ لیکن شان نزول سے ان کی تفسیر کی جاتی ہے۔ (دعنا بحسن الاسلام ص ۱۵)

کیا وجہ ہے کہ حالات اور واردات قلبیہ ذوق و شوق 'انس'، ہیئت 'شورش'

‘مستی وغیرہ کابھی کبھی سالک کو غلبہ رہا کرتا ہے اور بعد ازاں ان سب میں سکون معلوم ہوتا ہے اور یکساں حالت رہتی ہے۔

فرمایا۔ یہ انتہائی حالت ممکن اور سکون کی ہے پہلے طبیعت کا غلبہ ہوتا ہے اور بعد اس کے عقل کا غلبہ رہتا ہے اس وجہ سے سکون ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی حالت یہی تھی کہ ان کی طبیعت تابع عقل تھی یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ باوجود کمال عشق الہی کے کبھی مغلوب نہیں ہوئے اور متوسطین اولیاء امت کو چونکہ غلبہ طبیعت کا عقل پر ہے احوال مغلوبیت کے ان سے زیادہ صادر ہوئے۔ (تربۂ حصہ دوم ص ۲۲)

انوار والوں کا مکشوف ہونا

اہل سلوک نے کتب فن میں حالت ذکر و مراقبہ میں الوان و انوار کے معلوم و مکشوف ہونے کو لکھا ہے کہ سالک جب کثرت ذکر و مجاہدہ سے صفائی قلبی و روحی حاصل کر لیتا ہے تو اکثر ذکر و لطائف کے الوان و انوار ملکوتیہ کا ظہور کبھی اپنے وجود کے اندر اور کبھی وجود سے خارج و علیحدہ مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے آثار محمودہ اور غیر محمودہ ہونے کو بھی لکھا ہے۔ واقعی یہ سب تصرف خیال اور پیوست دماغ سے صور متغیہ منمئل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں یا درحقیقت اس کی بھی کچھ اصل ہے۔

فرمایا اگر واقعی کچھ واقعات ملکوتیہ کسی کو کچھ معلوم و مکشوف ہو گئے تو یہ غیر مقصود ہے اور قابل توجہ نہیں اس کی نفی کر دینا چاہئے اور اس جگہ بہت بڑی ضلالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ کامل اور محقق کامل نہیں ہو تو طالب حق غیر مقصود کو مقصود سمجھتا ہے اور انواع و اقسام کی غلطیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور زندگی بھر الوان و انوار ہی کی لذت اور سعی میں مغموم و محزون رہتا ہے بلکہ تنگ اگر ذکر و طاعت کو جو کہ اصل مقصود ہے چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیخ سے بھی بدگمان ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ ساری زندگی اس کی اسی اولٹ پھیر میں گذر جاتی ہے اور کوئی کام اس کا دینی اور دنیاوی راست نہیں ہوتا۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

اسی وجہ سے جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ السامی نے حجاب نورانی کو حجاب ظلمانی سے اشد فرمایا ہے۔ اور اپنے وابستگان کو اس کی جانب توجہ کرنے سے روکا ہے کیونکہ اس جگہ اصل مقصود سے طلب رہ جاتا ہے اور یہ بڑی محرومی ہے۔ اصل مقصود ان اشغال کی مشغولی اور کثرت فکر و مراقبہ و مجاہدہ سے تہذیب نفس و اصلاح قلب اور بفحوائے آیت کریمہ ﴿إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ جمعیت اور اطمینان قلب کی دولت اور نسبت حضور مع اللہ اور یکسوئی اور یادداشت کے ملکہ راسخہ پیدا ہو جانے کی حدیث اور مقامات توکل، تسلیم، تقویٰ، رضا، اخلاص، توحید، محبت، خشت وغیرہ کی تصحیح ہے ورنہ فی نفسہ اس کی کوئی حاجت نہیں تھی اصل مقصود صرف ذکر و طاعت حق ہے اور اسی سے قرب باری تعالیٰ کا میسر ہوتا ہے۔

سوال : لطائف کے الوان و انوار کی جانب توجہ رکھنے کی کیا حاجت تھی؟ کیا یہ جزو طریق ہے جیسا کہ کتب فن میں اس کو داخل کر دیا ہے۔

جواب : فرمایا یہ سلوک کا کوئی جزو نہیں۔ لطائف کے الوان و انوار عارضی ہیں چونکہ لطائف کی جانب توجہ رکھنے سے طالب کو یکسوئی جلد ہو جاتی ہے اسلئے شیوخ اس کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اس مشغولی میں اگر کسی کو کچھ الوان و انوار نظر آگئے تو پہلے اس کی بے وقفتی نہیں کرتے مگر یکسوئی میں ضعف نہ ہو جائے بلکہ جب یکسوئی کا ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی جانب سے توجہ ہٹا دیتے ہیں۔ (تزیۃ حصہ دوم ص ۲۲)

تجلی رحمانی اور شیطانی کی پہچان

سوال : ممکن ہے کہ صور مثالیہ کے ساتھ شیطان بھی متجلی ہو جائے پھر تجلی رحمانی اور شیطانی کی کیا پہچان ہے۔

جواب : فرمایا۔ کہ اگر اس کے ظہور سے علامت ضلالت اور وحشت کی پائی جاوے تو تجلی شیطانی ہے اور اگر نور ہدایت اور انس و فرحت کی علامت پائی جاوے تو تجلی رحمانی ہے۔

سوال : اس تجلی مثالی کیساتھ حق تعالیٰ کو دیکھنا مکاشفات اور خواب میں صرف قلب ہی کیساتھ ہوتا ہے یا اس کا مشاہدہ اس آنکھ سے بھی ہو سکتا ہے۔

جواب : فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اس تجلی کا ادراک صرف قلب کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ حالت مراقبہ میں آنکھ کھلی بھی ہو لیکن ادراک اس کا اسی باطنی آنکھ سے ہوتا ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر ظاہری آنکھ بند کر لی جاوے جب بھی وہ مدرک ہو گا اور یہ خود فرمایا کہ یہ بھی قرن قیاس ہے کہ آنکھ بند کر لی جاوے اور مدرک وہ نہ ہو جس طرح عینک لگی ہوتی ہے۔

انوار و کشف قابل التفات نہیں

حال : بارہ ہزار بار اسم ذات پڑھتا ہوں بارہ تسبیح صبح کو پڑھتا ہوں دعا فرمائیے کیونکہ تہجد میں مجھ کو نیند آجاتی ہے۔۔۔ اپنے حضرت سے خط و کتابت رکھوں گا۔ انتظام ہونے پر حاضر خدمت ہوں گا۔ جب حضرت کا والا نامہ صادر ہوتا ہے تو قلب میں خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے روشنی رات کو کبھی زرد معلوم ہوتی ہے اور کبھی سرخ معلوم ہوتی ہے۔ اللہ اللہ کرنے پر بھی معلوم ہوتی ہے اور دن میں بھی

معلوم ہوتی ہے اور میرے قلب میں نئی نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت میری طرف توجہ فرماتے رہے چھ ماہ سے محنت کر رہا ہوں۔ اور حضرت کی اجازت سے کر رہا ہوں ایک شخص کا مرنا مجھ پر قبل معلوم ہو گیا تھا اور یہ بدن کشف سے معلوم ہوتا ہے میں ہر چند تردید کرتا ہوں لیکن قلب میں انکشاف ہو جاتا ہے منشی ----- سے میرے کشف کے حالات معلوم فرمادیں ان کو بھی معلوم ہے مفصل حالات وہ فرمائیں گے۔

تحقیق : معمولات کافی ہیں فی الحال تغیر، تبدل کی ضرورت نہیں ایسے انوار گا ہے ملکتی ہوتے ہیں مگر اکثر ناسوتی۔ اشتعال اخلاط سے اور دونوں حالت قاتل التفات نہیں گو نافع ہیں، پس خدا تعالیٰ کا شکر کیا جاوے مگر کمال نہ سمجھا جاوے۔ اور کشف تو ناقص کیلئے فتنہ ہے۔ ہرگز اس طرف التفات نہ کریں۔ بلکہ اس کو مضر سمجھیں اور اس پر نازیانظر نہ کریں ذکر کی مشغولی سے اس کو مغلوب کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے تم کو اس پر ناز ہے۔ (ترتیب حصہ مذکور ص ۱۰۱)

عدم مطلوبیت لذت و ذوق و فرق مابین حال و مقام

حال : جو خلوص و ذوق پہلے عبادت میں تھا اب نہیں پاتا ہوں۔

تحقیق : ذوق مطلوب نہیں کیونکہ وہ ایک حال ہے نہ کہ مقام۔ اور مطلوب مقامات ہیں نہ کہ احوال۔ اور فرق دونوں میں اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا ہے۔ اہل فن کا قول ہے المقامات مکاسب والا حوال مواہب۔ حضرت ”فرمایا کرتے تھے۔ کہ طالب لذت طالب حق نہیں ہے کام میں لگنا چاہئے ثمرہ پر نظر نہ چاہئے۔ (ترتیب السالک حصہ اول ص ۲)

لذت مطلوب نہیں

حال : بندہ کو عبادت میں لذت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اور طاعت حق کی طرف دل بندہ کا راغب تام نہیں ہے۔

تحقیق : عبادت میں لذت اختیاری نہیں امور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑ جانا چاہئے۔ اپنی قدرت و اختیار کے کاموں میں لگا رہنا چاہئے۔ (تزیۃ حصہ اول ص ۸)

عدم مطلوبیت لذت و ذوق

حال : ناچیز اپنے معمولات میں (یعنی اسم ذات چھ ہزار مرتبہ) مشغول ہے بفضلہ تعالیٰ و بدعائے حضرت اکثر روز بعد تہجد قبل صبح صادق بعض روز بعد صبح صادق اور بطور ندرت بعد نماز فجر ختم کرتا ہے لیکن جو رغبت و صلاحیت وقت حضوری دربار کے نصیب تھی اور جو حالت اس وقت تھی۔ (یعنی حالت ذکر میں ایسی دل بستگی ہوتی تھی۔ کہ رونا آجاتا تھا) اب وہ حالت نہیں۔

تحقیق : حالت یکساں نہیں رہتی۔ مگر یہ خصوصیات مواجید و اذواق کے مقصود نہیں مقصود محفوظ رہنا چاہئے۔ اور وہ ذکر و طاعت ہے خواہ اس میں بسط ہو یا قبض کہ بعض منافع قبض کے زیادہ ہیں بسط سے ہمت سے کام میں لگے رہیں اول اول ایسے ہی تغیرات ہوا کرتے ہیں پھر حق تعالیٰ مناسب استعداد کے تمکین عطا فرمادیتے ہیں۔ جب اس کا وقت مقدر ہوتا ہے گھبرا جانا دلیل ہے ضعف ہمت کی آئے طریق دولت چالاکی ست و چستی۔ (تزیۃ حصہ سوم ص ۲)

فصل - تحقیق حالت قبض

ایک سالک کے سوال پر کہ طبیعت پر پڑ مردگی اور انقباض کا غلبہ برابر بڑھتا جاتا ہے۔ ہفتوں کیا مہینوں کوئی انبساط نصیب نہیں ہوتا۔ دل و دماغ سب پر معلوم ہوتا ہے کہ موت طاری ہے۔ نہ خلوت میں جی لگتا ہے نہ جلوت میں زندگی کے خلا و تعطل سے طبیعت بالکل تنگ آگئی ہے۔

ملازمت محض پیٹ کے لئے ہے وچسپی کا اس میں اب قطعاً کوئی پہلو نہیں۔ دوسری طرف یہ حال ہے کہ زندگی کا کوئی دینی و دنیوی مشغلہ و مصرف سمجھ میں نہیں آتا ہے اور اگر کچھ سمجھ میں آتا ہے تو اس کی ہمت و صلاحیت مفقود ہے۔ لے دے کر کچھ لکھ پڑھ لیتا تھا۔ خصوصاً تعطیلوں میں اب کے وہ بھی بالکل ہی کمنا چاہئے کہ نہیں ہو سکا نہ طبیعت کسی طرف متوجہ ہوئی زبردستی کچھ لے کر بیٹھا تو بس اکثر لئے بیٹھا ہی رہا۔ آخر جب قلم نہیں چلا تو گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ خط تک لکھنے تک سے جی چراتا ہوں موت کی تمنا تو ابھی تک نہیں پیدا ہوئی۔ لیکن زندگی و بال ضرور ہے لکھنا اور گھر سے روز بروز وحشت بڑھتی جاتی ہے بس یا تو جی یہ چاہتا ہے کہ مسجد کا کوئی حجرہ ہو یا اس سے بھی زیادہ اب کی تھانہ بھون کی حاضری کے بعد سے برابر یہ تقاضا ہے کہ مستقلاً حضرت ہی کے قدموں کے نیچے پڑے رہنے کا سامان ہو جاوے۔ گو طبیعت کی بے قراری کا جو حال ہے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس حال پر قرار پکڑے گی۔ رخصت کا ملنا بھی اب میرے لئے بہت مشکل ہو گیا ہے۔ تاہم اس مرتبہ اسی نیت سے جا رہا ہوں کہ اگر کچھ رخصت مل سکے تو کچھ دن ہی کے لئے حضرت کی خدمت میں آپڑوں تعطیل میں تو یہاں اگر ایسا پھنس جاتا ہوں کہ آئندہ سے خیال ہو رہا ہے کہ پہلے سیدھا تھانہ بھون ہی انشاء اللہ حاضر ہو جایا کروں گا۔ یہ تو آئندہ کی بات ہے لیکن موجودہ حالت قلب و دماغ

کا ایک ایک دن کاٹے نہیں کھتا۔ حضرت دعا کے ساتھ کچھ مناسب چارہ گری بھی فرمائیں۔

تحقیق : یہ حالت قبض کہلاتی ہے جو سب کو پیش آتی ہے۔ اور جو باعتبار صورت کے بلا ہے اور باعتبار معنی کے نعمت ہے کیونکہ اسباب اس کے مختلف ہیں۔ کبھی تغیرات طبعیہ مزاجیہ فساد اخلاط یا موسم یا ادویہ و اغذیہ سے یا عوارض نفسانیہ فکر یا حزن یا غضب وغیرہ سے جس کا علاج ان کے اضداد سے ہے کبھی کسی معصیت کا صدور جس کا حق معصیت کا تدارک اور استغفار کی کثرت اور کبھی رفع درجات کے اعمال اختیاریہ کی کمی کا تدارک مجاہدہ اضطراریہ سے کیا جاتا ہے پھر اس سے درجات بڑھتے ہیں۔ اور کبھی اصلاح اخلاق کے کمالات سے اپنا خلو دیکھ کر شکستگی و پستی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے بہت سے غوائل کا علاج ہو جاتا ہے جیسے عجب و کبر و قساوت و امثالہا۔ اور کبھی امتحان محبت کے بندہ بشارت ہی پر عمل کرتا تھا جس میں ایک گونہ حظ نفس بھی ہوتا ہے یا بے ذوقی میں بھی عمل کرتا ہے اس کا سبب صرف محبت و غلبہ عظمت ہو سکتا ہے اور کبھی جذب الی عالم القدس برفع الحجب و الموانع اور کبھی دوسرے اسباب جو تعبیر سے بھی فوق ہیں۔

اس تمہید کے بعد چند امور قابل تنبیہ ہیں نمبر ۱ کبھی متعدد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ نمبر ۲ ایسی حالت پیش آنے کے وقت اسباب کی تشخیص و تعیین کی ضرورت نہیں بلکہ اکثر مضر ہے کیونکہ تيقن کا کوئی ذریعہ نہیں۔ سو اگر وہ سبب نہ ہوا تو سعی ہی بیکار ہوگئی۔ نمبر ۳ بلکہ سب احتمالات کا حق ادا کیا جاوے یعنی استغفار اور صبر و شکر و تقویٰ و توکل اور تواضع و دعا و اجتناب و کثرت ذکر و استقامت علی الاعمال اور لایعنی تعلقات کی تقیل و استعمال مفرحات و مقویات طبع جس میں ملاقات احباب و اشتغال بالازواج والاولاد و استعمال مرغوبات طبعیہ پر غایت اعتدال بھی داخل ہے۔ ان سب کو نظام کے ساتھ جمع کیا جاوے نمبر ۴ ان اعمال کو بقصد تدبیر و علاج و بانتظار بسط و سکون نہ کیا جاوے بلکہ ان کو خود مطلوب سمجھ

کر کیا جاوے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی یہ رفع نہ ہو تو اس پر راضی اور ادائے حقوق مذکورہ پر مداوم رہے۔

نمبر ۵ اسباب ضیق و تشویش سے حرزِ لا بضرورت شدیدہ۔ ان امور کے التزام سے انشاء اللہ تعالیٰ اکثر تو بسطِ طبعی ورنہ بسطِ عقلی تو لزوم کے ساتھ میسر ہو گا۔ اگر بسط کے بعد شبہ عود کا ہو ان عدمِ عدنا کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔ جیسے کسی کو موسیٰ بخار ہمیشہ آتا ہو تو وہ گھبراتا نہیں نسخہ کی تجدید کر لیتا ہے۔

اسی سالک کے حال پر کہ قبض کی حالت بدستور ہے اور بسط و نشاط قطعاً کافور۔ اپنے ایمان و عمل کی حقیقت معلوم ہے۔ اس لئے جذب الی عالم قدس یا رفع الحجب و الموانع وغیرہ کے سے اسباب قبض کا تو اپنے حق میں احتمال بھی نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا۔ یہی فیصلہ محل کلام ہے۔ جن اکابر کے حق میں ہم لوگ اس جذب اور رفع کا اعتقاد قریب بہ یقین رکھتے ہیں وہ آپ سے زیادہ کہتے ہیں کہ اپنے ایمان و عمل کی حقیقت معلوم ہے۔ چنانچہ سرِ درمیں کے متعلق صحیح بخاری میں ہے ^۱ کلہم یخاف النفاق علی نفسه بلکہ عارفین کے نزدیک یہی اعتقاد دلیل ہے کمال ایمان کی۔ ناقص الایمان کو اپنے نقصان ایمان کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔

حال : باقی جسمانی و نفسانی امراض و نقائص کے جن اسباب کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا ہے وہ قریب قریب سب ہی بلکہ بہت زیادہ موجود ہیں

تحقیق : خود یہ اسباب موجب اجر و قرب ہیں اور ان پر جو ناگواری مرتب ہوتی ہے وہ بھی موجب اجر۔

۱ (حضرات صحابہؓ میں سے) اپنے نفس پر ہر ایک خوف زدہ رہتا تھا۔ ۱۲۔

حال : اور عجب و کبر و قسادت کا بھرا اللہ خوب علاج ہو رہا ہے۔ نفس اگر حد سے زیادہ بے حیاء نہ ہوتا تو حیا دار کے لئے اتنی مار بہت تھی۔

تحقیق : تو کیا حیا میں نفس مرجاتا۔ پھر یہ تو موت سے بھی زیادہ ہے لایموت ولا یحییٰ تو حیا کی نفی کیسے کی جاتی ہے۔

حال : تدابیر جو حضرت نے تجویز فرمائی ہیں سب پیش نظر ہیں۔ زبان کی حد تک بفضلہ ذکر و استغفار جاری ہے۔

تحقیق : یہ جتنی اور جس صورت سے بھی ہو رحمت و مہبت ہے۔

حال : صبر و شکر و اتقوا فیض و توکل کی حالت زیادہ تر بے بسی و بیچارگی سی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق : یہ بھی نعمت ہے جو اضطراب عطا کر دی گئی۔ قصد افعال اختیاریہ میں شرط اجر ہے نہ کہ امور اضطرابیہ میں۔ اس میں بلا قصد بھی اجر عطا ہوتا ہے۔

حال : دعا بھی کرتا ہوں لیکن رغبت و روح سے ہر شے خالی نظر آتی ہے۔ اور رقت و ابہتال کو تو ترستا ہوں۔ یا تو قسادت کی کوئی حد نہیں رہی ہے یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل و دماغ سب سن اور بے حس ہو رہے ہیں یا جیسے زیادہ مار کھانے سے آدمی بوکھلا جاتا ہے۔

تحقیق : قسادت کے لئے تو جرات علی المعاصی لازم ہے بس یہ تو نہیں۔ اگر دوسری حالت ہے تو مجاہدہ اضطرابیہ ہے جس کا فیصلہ اب ہی مذکور ہوا۔

حال : تعلقات یعنی ولایتی قریباً ہر قسم کے مدت سے قلیل کیا مفقود ہیں۔ گھبرا کر اگر کیس جاتا بھی ہوں یا جی چاہتا ہے کہ کوئی آجاوے تو دونوں صورتوں میں اکثر اور زیادہ تندرستی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

تحقیق: کیا یہ رفعِ حجب کی فرد نہیں۔

حقیقتِ نفس

سوال: نفس کیا چیز ہے۔ اگر لمتہ الشکر کا نام ہے تو بعض وقت مسلمان طبعاً عبادت کی خواہش کرتا ہے خصوصاً جب اس میں حق سبحانہ کچھ لذتِ مرحمت فرمادیں اس وقت ہوائے نفس اور لمتہ الخیر رضائے باری عزاسمہ میں سوائے اس کے کہ دین اسلام اور شریعتِ غراء کو ممتاز قرار دیں اور کوئی بھی سبیلِ افتراق ہے یا نہیں بظاہر تو جو دل گناہ میں لذت پاتا اور اس کی خواہش کرتا ہے وہی عبادت میں لذت پاتا اور خواہش مند ہوتا ہے۔ محض یہ سمجھ لینا کہ اول لمتہ الشکر من الشیطان ہے دو سرا لمتہ الخیر من الملک ہے۔ دل کو تسکین نہیں دے سکتا اور اگر ہو بھی تو ہر شخص کے لئے نہی النفس عن الہوی پر عمل کرنے کے لئے پورے علم دین کی ضرورت ہے، تھوڑا علم کافی نہیں۔ اس صورت میں بحکیل علم زائد از ضرورت جس کو فرض کفایہ شمار کیا گیا ہے فرض عین اور حد ضرورت میں داخل ہو جائے گا۔ نیز صوفیہ کرام کا مباحات کو محرمات کے اندیشہ سے ترک کرنا اسی بنا پر ہے کہ ہوائے نفس ہے اور نفس کی جہاں تک ہو مخالفت چاہئے اس بنا پر بھوک کے وقت کھانا اور ضرورت کے وقت جماعت بھی ہوائے نفس ہوگی۔ پھر عادت کے موافق یا بغرض حصول لذتِ عبادت کے وقت طاعت میں مشغول ہونا ہوائے نفس کیوں نہ ہو البتہ وہ بحکم الطبع ہے اور یہ بحکم الشرع۔ مگر عادت کے درجہ میں یہی عبادت بحکم الطبع میں داخل اور سببِ عبادت و قوامِ بدن و تصحیح خیال و ازالہ مادہ فاسدہ کی نیت سے اکل و جماع بھی بحکم الشرع ہے پھر امتیاز دشوار۔ غرض گواہ شامت کچھ ہو جاتی ہے مگر الزام و اسکاٹ بلکہ اطمینان نہیں۔

الجواب : نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر اگر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت امارہ کہلاتا ہے یعنی کثیر الامر بالسوء اور ہوائی اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہے اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہو جاتا اس مفسوم کے منافی نہیں۔ کیونکہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو لوازمہ کہلاتا ہے اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت مطمئنہ کہلاتا ہے بمعنی ساکن الی الخیر گو کبھی اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل احیاناً پیدا ہو جاوے کیونکہ محض انجذاب بمعنی میلان منافی سکون کے نہیں چنانچہ اجسام ثقلیہ باوجود میلان الی مرکز کے ساکن بھی دیکھے جاتے ہیں۔ البتہ اس خواہش کے مقتضاء پر عمل کرنا کہ حرکت من المقرر ہے یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں مطمئنہ نہ رہے گا۔ غرض دونوں خواہشیں خیر کی بھی اور شر کی بھی نفس ہی کے متعلق ہیں۔ البتہ اسباب ہر خواہش کے جدا جدا ہیں بعض تو مشاہد ہیں جیسے نصیحت و صحبت، نیک خواہش خیر کے لئے اور اغواء و صحبت بد خواہش شر کے لئے اور بعض اسباب غیر مشاہد ہیں جیسے القاء ملک خواہش خیر کے لئے اور القاء شیطان خواہش شر کے لئے اسی کو حدیث میں لمة الملك و لمة الشيطان اور ابعاد بالخیر اور ابعاد بالشیر سے تعبیر فرمایا ہے اور بزرگوں کا مباحث کو چھوڑنا اس بناء پر نہیں کہ مباحث کی خواہش ہوائی نفسانی ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ وہ مفضی الی الہوی نہ ہو جاوے۔ اس تقریر میں تامل کرنے سے امید ہے کہ سب شبہات زائل ہو جاویں گے کیونکہ اس میں منشاء اشتہاء کا ارتفاع ہو گیا ہے اور اگر اب بھی کوئی شبہ رہے تو اس کی تقریر مکرر واضح طور پر کی جائے۔ (۶ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ)

بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے۔ لیکن کوئی ایسی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی ہے کہ پاس بیٹھ کر کچھ دل بہلانے کا سامان ہو مگر جس کوفت سے اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی اس کے بعد اس کی کوئی شکایت نہیں بلکہ ہر طرح

حل شکر ہے۔

تحقیق: امید ہے کہ ادائے حق ضروری کے لئے کافی ہو۔

حال: اب گھر میں جو کچھ اذیت کا سامان ہے وہ چھوٹے بھائی کی حالت ہے جو الآن کماکان ہے ان کے لئے روزانہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی جھوٹ اور خیانت کی عادت چھوڑ دے۔ سب سے زیادہ ان کی انہی دو باتوں سے تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ دین دنیا دونوں اپنی برباد کر رہے ہیں۔ حضرت سے بھی دعا اور تدبیر کی درخواست ہے۔

تحقیق: دعا سے کیا عذر ہے باقی تدبیر سو ہم جیسے ناقصین کے لئے تو دوسرے کے لئے تدبیر کرنے سے اپنے لئے تدبیر اسلم ہے۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ فکر خود کن فکر بیگانہ مکن۔ اور ایک وقت وہ آتا ہے جس میں کاپلین کے لئے بھی یہی تجویز فرمایا گیا ہے ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَبْضُرُكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ الآية اور وہ وقت وہ ہے جب باوجود سعی کے دوسرا نہ مانے کذا فی بیان القرآن۔ اور اس کے ساتھ بھی اگر فکر بیگانہ کا هجوم ہو جاوے وہ مجاہدہ اضطراریہ اور موجب قرب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ حصہ حالات موجودہ کا مجاہدات اضطراریہ ہیں جن سے نہ انبیاء خالی رہے نہ اولیاء نہ دوسرے مومنین۔ گوالوان سب کے مختلف ہوتے ہیں مگر قدر مشترک سب کے لئے نعمت ہے اور سب سے بڑی اور مختصر اور جامع اور ہر وقت کے استحضر کے قلیل اور ہر حالت پر منطبق اور اس کے مناسب چیز یہ ہے کہ جس حالت سے دین کا ضرر نہ ہو وہ خیر محض ہے۔ خواہ طبیعت کے ہی خلاف ہو۔ اور خواہ عمر بھر لازم حال رہے۔ بس قلب میں تو اس کو

راح کر لیا جاوے اور زبان کو مشغول بالذکر رکھا جاوے اور اس کو اصل مشغل سمجھا جاوے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی مشغل کے فوت ہونے کا افسوس نہ کیا جاوے کیونکہ علاوہ عبادت موظفہ کے اور اشغال عارض کے سبب ہیں اور سب عوارض کے انصرام و اختتام کے بعد باقی ہے ویدل علیہ نصوص لاتتناہی بس اس نظام کے بعد فکر اور سوچ اور ہر تمنا اور انتظار کو دل سے نکال دیا جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حیات طیبہ کا صرف حصول ہی نہیں بلکہ مشاہدہ ہو جاوے گا۔ اور بعد چندے نفس بھی مطمئنہ۔

علاج بعض اقسام قبض

(ازامداد الفتوی معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ ص ۱۶)

سوال : حضرت اب تو نہایت اہتر حالت ہے، وظیفہ وغیرہ سب ترک ہے اگر بجبر تسبیح لے کر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے قید شمار تسبیح سے جی الجھتا ہے تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں، اس میں البتہ کبھی کچھ عرصہ تک خبر نہیں رہتی کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ مشغل اشغال قطعاً بند ہیں۔ کیونکہ دل الجھتا ہے، لیکن اس کا نہ ہونا ہر دم سوہان روح ہے اور ایک بات یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں بھی دھیان اللہ کا دل میں رہتا ہے اگر کچھ تسکین اس وقت ہے تو اس سے ہے کہ اگرچہ زبانی یا بقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی دھیان تو اپنے اللہ کا آجاتا ہے پیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔

کل صفحہ ۹۶ رسالہ تعلیم الدین پڑھ رہا تھا کہ ایک موقع جہاں پر حضور نے لغزشات سالک تحریر فرمائی ہیں نظر سے گذرا بجنہ اپنی حالت کو اعراض حجاب تقاضل سلب مزید۔ سلب قدیم تسلی میں مبتلا پایا لیکن الحمد للہ کہ عداوت نہیں پائی

جاتی۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سالک اگر عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو راجع ہو جاتا ہے۔ تحریر مذکور الصدر کو دیکھ کر میرا دل بے قرار ہو گیا ہے اور بدحواسی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر خدا نخواستہ کوئی بات خلاف ظہور میں آوے تو اللہ کو علم ہے۔

پیشتر اس قدر تسبیح پڑھتا تھا کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز و نوافل کے روز مرہ ہو جاتی تھیں اور ایک ذوق ہوتا تھا۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے پیشتر جوش و خروش ابتدا میں تھا اب ایک معمولی حالت ہو گئی ہے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی بلکہ پیشتر سے اپنے میں بدرجہا کی معلوم ہوتی ہے، خدا نخواستہ جو عبارت تعلیم الدین میں تحریر ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ کیفیت تو نہیں ہے، مختصراً یہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھ نہیں بن پڑتا ہے البتہ میرے خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فکر کچھ ضرور ہے۔ کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے یہ کمی اشغال و معمولات نہ معلوم کیوں ہو گئی بعض دفعہ اپنی تصویر مجسم اپنے روبرو بیٹھے ہوئے نظر آتی ہے۔ ہر چند آنکھ بند رہتی ہے کبھی کبھی آنکھ بند کر لینے سے جو چیز روشن ہو یا مثل رنگ آسمان کے ہو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے سے بھی نظر آتی ہے مثلاً ایک تجربہ یہ کہ ایک روز اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا سامنے دروازہ کے ایک چبچہ تھا اور اس پر کچھ کھلا ہوا مطلع اندر مکان سے نظر پڑتا تھا آنکھ بند کر کے جو دیکھا تو وہی نقشہ نظر آیا پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا بجسہ نظر آیا۔ فقط۔

الجواب : آپ کا حال اچھا خاصا ہے۔ عبادت کے مختلف طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے، ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے، اپنے کو ذلیل و خوار قاصد و ناقص سمجھنا بھی عبادت ہے۔ غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسرے غفلت سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے رہا غلبہ اور شوق یہ حالات عارضیہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ

قائم و دائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہو گیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے آپ بلادلیل محض تھلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے غرضیکہ نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے صحت کی خبر نہیں سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں اس میں جو تحریر فرمایا ہے وہ تعریف قوتہ متغیہ کا ہے اکثر حس مشترک میں الوان و انوار مرئی کے رہ جاتے ہیں جو آنکھ بند کرنے سے بھی نظر آتے ہیں یہ نہ محمود ہے نہ مذموم تردد نہ فرمائیں۔ فقط۔

موذی مرض اور اس کا علاج

ایک موذی مرض کے علاج میں۔ خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں مگر اس کا غلبہ و هجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور انتہا درجہ کا حزن و الم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو (یہ) امراض شرعیہ میں سے تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضرور نہیں مگر امراض طبیعہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب و مختصر یہ ہے کہ خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہو جانا ہے چونکہ یہ مسئلہ بہ ہدایت عقل و بہ تسلیم حکماء و علماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا اسی لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آوے تو اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں نہ اس کے اسباب میں خوش کرے کہ اس سے زیادہ لپٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اس سے وہ برا خیال خود بخود دفع ہو جائے گا اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر ملے کہ خود وہ خطرہ ہی متغیہ سے بالکل نکل

جائے گا۔ علاج کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں جیسے تصور شیخ یا پاس انفاس یا تخیل نقش اسم ذات وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر ضعف قلب یا خفقان یا سخافت جسم یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آگئی ہو تو علاج مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحات قلب و غذائے نفیس اور ادویہ مرض عارضی کا استعمال بھی کیا جانا ضرور ہے۔ چونکہ بعض سالکین کو یہ عقبہ پیش آتا ہے جس سے ان کے ظاہری و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

نوٹ متعلقہ ضمیمہ بالا : (از مؤلف سوانح) چونکہ قریب زمانہ ہی میں خود حضرت والا کو یہ عقبہ سخت پیش آچکا تھا اس لئے نہایت بصیرت کے ساتھ دیگر اہل ابتلاء کے لئے یہ علاج اکسیر و مجرب تحریر فرمادیا گیا۔ (اشرف السوانح ص ۲۷۸)

(ب) نقل مضمون (متعلق حدیث ان الله تجاوز لامتي عما حدث به انفسها الخ) ملقب به الحصصه في حكم الوسوسه جزو التشرف جلد سوم زیر عنوان ”علاج الوسوسه باستحضار الفعوى عنها“ (۱۲)

حدیث : اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان کے خیالات سے تجاوز فرمادیا ہے جن کی وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں یا ان کو عمل میں نہ لادیں۔ عزیزی نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سینہ میں جو دوسوسہ پیدا ہوں خفی نے کہا ہے کہ (خیال) کے مراتب پانچ ہیں ایک ہاجس دو سرا خاطر تیسرا حدیث النفس چوتھا ہم پانچواں عزم۔ پس جب کوئی بات قلب میں ابتداء واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہاجس کہتے ہیں۔ پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہو گا اور اگر وہ نفس میں دورہ

کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اسکی آمدورفت ہونے لگے مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا، اس کو خاطر کما جاتا ہے۔ جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اس کو حدیث نفس کہتے ہیں۔ سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عقاب ہے اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے۔ پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اس فعل پر عقاب یا ثواب ہو گا اور ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہو گا۔ پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے بلکہ مرجوح ہے جیسا وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں۔ اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا رجحان قوی ہو گیا یہاں تک کہ جازم معمم بن گیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اس کو عزم کہتے ہیں اس پر بھی ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے اگر شر میں ہے اھ۔

میں کہتا ہوں کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس، سو وسوسہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا تو حدیث صحیح سے ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہاجس و خاطر پر) عدم مواخذہ بالاویٰ ہے کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے ماقبل کے درجات (یعنی ہاجس و خاطر جو کہ اس سے اَھَوْن وَاَدْوَن ہیں) بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے۔

اور اگر تم کو یہ خلجان ہو کہ حدیث کی بناء پر حدیث کی معافی کا حکم اس پر موقوف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا دلیل ہے پس اس خلجان کو اس طرح دفعہ کرو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے

اور نصوص معنی لغویہ ہی پر محمول ہوتے ہیں جب تک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہو جاوے اور یہاں طاری نہیں ہوئی پس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو۔ اور ہاجس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شے وارد ہوگئی جس پر اس کو نہ قدرت ہے نہ اس کا کوئی تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ ہاجس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اس کو ہٹا دے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جاوے) لیکن چونکہ یہ خاطر حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے اس لئے یہ خاطر بدرجہ اولیٰ معاف ہے اور اس میں اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقیدہ کا مقتضاء یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو پھر امت مرحومہ کا (یہ) اختصاص (کہ وسوس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مراتب مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری ام سے ہوتا تھا) تب تو ائم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلیات شرعی کا منافی ہے (جیسے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کہ ظاہر اس میں نفس عام ہے لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودے کہ اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری ہی کے اعتبار سے ہے اور فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور اس قصد سے اکثر ذہول ہو جاتا ہے۔ پس ہاجس (اس ذہول کی حالت میں) اکثر خاطر اور حدیث النفس کی طرف (بلا قصد)

ہو جاتا ہے سو اس (خاطر و حدیث النفس) پر مواخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بلیس معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا۔ جب دفع نہ کیا تو بقاء اختیاری ہوا اور اس بناء پر کسی امت کا اس کا مکلف ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت آبیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس درجہ کو معاف کر دیا جیسے اصر و اغلال (بوجہ اور اطواق یعنی احکام شدیدہ) کہ جو ام سابقہ پر تھے اس امت سے ہلکا کر دیا پس یہ مرتبہ اختیاری ہے لیکن اس میں شدت تھی اسلئے یہ اصر و اغلال کی ایک فرد تھی۔ باقی رہا عزم تو ہا جس اس کی طرف اس طرح سے مفضی نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عفو وہ انضاء ہوا جو ذہول کے سبب سے ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث النفس بھی عزم مستقل سے ہو اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور سے (قصداً) لذت حاصل کرنا سو ظاہر یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا اور ایسا التنازع میرے نزدیک اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی) زنا کرتا ہے اور اس کا زنا یہ ہے کہ وہ (تمنا کرتا ہے اور اشتہاء کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے) اور ظاہر ہے کہ التنازع بدون اشتہاء و میلان کے ہو نہیں سکتا پس یہ التنازع بھی زنا ہوا) اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا و ساوس کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے ہیں (اور اسی حیثیت سے اس رسالہ میں یہ حدیث لائی گئی ہے) اور بعض اکابر (جیسے امام غزالیؒ) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتاً غیر اختیاری ہو خواہ حکماً) (و یلقب بیان ہذا الحدیث بالحصصۃ فی حکم الوسوسۃ)۔

صحبت شیخ کی نافعیت بیان فرماتے وقت حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ صحبت شیخ جہی نافع ہوتی ہے۔ جب شیخ کے بتائے ہوئے ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔ بعضے لوگ بزرگوں سے تو ہمیشہ ملتے جلتے رہتے ہیں لیکن خود کچھ کرتے دھرتے نہیں ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اور بعضے زیادہ وقت تو صحبت شیخ میں گزار دیتے ہیں اور تھوڑا سا وقت نکال کر کچھ التماسیدھا ذکر و شغل بھی کر لیتے ہیں یہ بھی کافی نہیں۔ غالب حصہ ذکر و شغل کا ہونا چاہئے تب صحبت شیخ نافع ہوتی ہے۔ ا۔

حضرت والا مقدار ذکر کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ نہ اتنی زیادہ مقدار ہو کہ بہت تعب ہو اور نہ اتنی کم کہ کچھ تعب ہی نہ ہو بلکہ اتنی مقدار ہونی چاہئے جس میں تعب تو ہو لیکن جس کی مداومت قابل عمل ہو۔ کیونکہ تھوڑا تعب ہونا بھی نفع کے لئے ضروری ہے تاکہ نفس کو کسی قدر مجاہدہ بھی کرنا پڑے۔ ا۔

(مقدار ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے ذمہ تو صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کر لے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ نافعہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھے گی۔ ا۔)

یہ توکیت ذکر کے متعلق ارشادات ہیں۔ اور کیفیت کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرز میں زیادہ دلچسپی ہو وہی اختیار کرے کیونکہ وہی طرز زیادہ نافع ہوتا ہے جس میں زیادہ دل لگے۔ لیکن اس کا خاص خیال رکھے کہ قلب میں ورد کے جلدی پورا کرنے کا تقاضا نہ پیدا ہو۔ اگر کسی کا طرز ہی روانی کے ساتھ ذکر کرنے کا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں۔

ایک طالب نے جب مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ

سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح فارس و مشاہدہ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے (زَيْنَ النَّاسِ حُبُ الشَّهَوَاتِ الْآيَةِ) (جعل ﷺ المزين هو الله تعالى وهو احد وجوه الآيَةِ) جب آپ نے یہ حب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اسلئے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے۔ البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حب کو اپنے حب میں معین فرمایا کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جاوے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سد باب ہو جاوے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہونا یہی ان کی تعدیل اور یہی مامور بہ ہے (اے میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی اشارہ فرمادیا) اور یہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں (قُلْ اِنْ كَانَ اَبَاءُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ اٰلِي قَوْلِهِ تَعَالٰى اَحَبُّ اِلَيْكُمْ مِنْ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ (علق الوعيد بالاحبة لا بالحب) البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہو جاتے ہیں۔

ایک باطن قلب ہے جو مرکز پر ہے۔ اور ایک ظاہر قلب ہے جو محیط پر دور کرتا ہے۔ باطن قلب خدا کی یاد میں مشغول ہے اور ظاہر قلب کمانے میں مصروف ہے۔ بلکہ اس محیط پر چلنے والے کو یہی حکم ہے۔ کہ چلاؤ ورنہ دائرہ کیسے قطع ہوگا۔ وہ دائرہ کیا ہے۔ بیوی بچوں کا نان و نفقہ۔ قلب کے اسی ظاہر اور باطن کے متعلق متنبی کہتا ہے۔ (باطن قلب اور ظاہر قلب اثر الفرائد ص ۱۲۲)

عذل العواذل حول قلبي التائه

وهو الاحبة عنه في سودائه

یعنی ملامت کرنیوالیوں کی ملامت قلب کے ارد گرد ہے اور احباب کی

محبت سیداء قلب میں ہے۔ پس سیداء قلب۔ جو اندرون قلب ہے۔ وہ غیر متحرک ہے جب اس میں خدا کا ذکر اور محبت جم جائے گی۔ تو پھر حرکت نہیں ہوگی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خوشی اور غم دونوں حالتیں یکساں ہونگی۔ خوشی ہے تو الحمد للہ اور غم ہے تو الحمد للہ۔ کیونکہ وہاں نہ غم مطلوب ہے نہ خوشی مطلوب ہے۔ مطلوب تو ان کی رضا ہے۔

بس زبون وسوسہ باشی دلا گر طرب راباز دانی از بلا
(ایضاً ص ۱۸)

قال رابگنار مرد حال شو پیش مرد کا ملے پامال شو
نور فہم تقویٰ اور حال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور حال پیدا ہوتا ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے کیونکہ یہ نفس بدون اس کے سیدھا نہیں ہوتا۔ جب تک اپنے کو کسی کامل کے اس طرح سپرد نہ کرو گے کہ وہ تمہاری ذات میں جو چاہے تصرف کر سکے اس وقت تک شہوات و اغراض نفسانیہ سے نجات نہیں ہو سکتی۔ (حاشیہ الاسلام ص ۲۱)

صوفیہ جو مراقبات و اشغال تعلیم کرتے ہیں۔ ان سے محض یہی یکسوئی و جمعیت قلب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۶)

بدیعہ رفع اشکال از آیت ربنا اتنا فی الدنیا حسنة

ارشاد ہے ﴿فمن الناس من يقول ربنا اتنا فی الدنیا وماله فی الآخرة من خلاق﴾ یعنی بعض آدمی تو وہ ہے جو (دعائیں) یوں کہتا ہے کہ اے پروردگار ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا ہی میں دے دے اور اس کے لئے آخرت

میں کوئی حصہ نہیں، یہ تو کافر ہے کیونکہ جس کو آخرت میں کچھ نہ ملے وہ کافر ہی ہے مسلمان اس کا مصداق نہیں ہو سکتا آگے دوسری قسم ہے۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمیں دنیا میں خیر دیجئے اور آخرت میں بھی خیر دیجئے اور نار کے عذاب سے بچائیے ۱۲) اس آیت کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ مصداق وہ مسلمان ہیں جو طالب آخرت ہیں۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ جب یہ لوگ مسلمان طالب آخرت ہیں تو انہوں نے دنیا کیوں مانگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دنیا کو کہاں مانگا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ربنا آتِنَا فِي الدُّنْيَا دُنْيَا تو نہیں فرمایا۔ اگر یوں فرماتے تو بے شک طلب دنیا مفہوم ہوتی مگر نص میں تو رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (اے رب ہمیں دنیا میں خوبی دیجئے) وارد ہے۔ جس میں مطلوب حسنہ ہے اور دنیا محض ظرف ہے پس اس سے طلب دنیا لازم نہیں آتی۔ بلکہ طلب حسنہ فی الدنیا لازم آئی اس لئے ان کو طالب دنیا کہنا غلط ہے بلکہ وہ تو طالب حسنہ فی الدنیا ہیں۔

اس پر شاید سوال ہو کہ پھر ان کو طالب آخرت کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ طالب حسنہ فی الآخرة کہنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلب آخرت کے تو معنی یہی ہیں کہ طالب حسنہ ہو۔ اب چاہے تم اس کو طالب آخرت کہو یا طالب حسنہ فی الآخرة کہو۔ دونوں برابر ہیں۔ اس پر اگر تم کہو کہ پھر ہم بھی طالب دنیا نہیں ہیں بلکہ طالب حسنہ فی الدنیا ہیں۔ یعنی مال و دولت حسنہ ہے اور ہم اس کے طالب ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حسنہ سے مراد حسنہ واقعہ ہے نہ کہ حسنہ مزعومہ۔ اور یہ شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حسنہ واقعہ کیا ہے۔ اور جس چیز کے تم طالب ہو وہ تمہارے نزدیک حسنہ ہو مگر شرعاً تو وہ حسنہ نہیں ہے پس شریعت پر فیصلہ ہے۔ پس اس آیت کا مصداق وہی شخص ہو سکتا

ہے جو حنہ شریعہ کا طالب ہو۔ اور حنہ شریعہ سے بھی وہ مراد ہے جو حقیقۂ حنہ شریعہ ہو۔ محض صورت ہی حنہ نہ ہو کیونکہ بعض افعال صورت دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقۂ دین نہیں ہوتے۔ ہم ان سے بھی منع کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو ہمارے انصاف کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم صرف صورت دنیا ہی کے مخالف نہیں بلکہ دنیا بصورت دین کے بھی مخالف ہیں۔ جیسے بدعات وغیرہ کو گونا گواہر میں وہ دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر ان سے بھی منع کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کہتے ہیں مانع عن اللہ کو۔ اور یہ مال و دولت ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض ایمان بھی مانع عن اللہ ہوتا ہے۔ جیسے وہ ایمان جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی ظاہری ایمان جس میں حقیقت کا پتہ نہ ہو۔ ایسے ہی بعض اعمال بھی جو صورت دین ہیں مگر حقیقت دین ان میں موجود نہیں مانع عن اللہ ہیں۔

یہاں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم صرف طالبان دنیا ہی کی مذمت نہیں کرتے۔ بلکہ بعض طالبان دین کی بھی مذمت کرتے ہیں جو حقیقت میں دین کی صورت میں دنیا ہی کے طالب ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت مولانا فرماتے ہیں

ۛ

اے با ایلئیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست
گر بصورت آدمی انساناں بدے احمدؑ و بوجہل ہم یکساں بدے
ایں کہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

ترجمہ: (۱) ہست سے ایلئیس انسان کی صورت کے ہیں اس لئے ہر ایک کے ہاتھ

ۛ اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن بہ حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ ۱۲

میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ (۲) ہر آدمی کی صورت کا انسان ہو جاتا تو احمد اور بو جہل یکساں ہو جاتے۔ (۳) یہ جو بہت سوں کو انسانیت کے خلاف دیکھتے ہو یہ آدم نہیں بلکہ آدم کے روپ میں ہیں۔ (۱۲ ط)
 بہر حال اس میں تو شک نہیں کہ پہلی آیت کا مصداق کافر ہے اور دوسری آیت کا مصداق مومن۔

عام مفسرین نے تو یہی دو قسمیں سمجھی ہیں۔ اور آگے ومن الناس من يعجبك سے مستقل کلام لیا ہے۔ مگر قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے مجموعہ کلام میں چار قسمیں سمجھی ہیں دو تو وہی جو ابھی مذکور ہوئیں اور دو من الناس من يعجبك الخ اور من الناس من يشري الخ۔ خلاصہ فرق دونوں توجیبوں کا یہ ہے کہ عام مفسرین کے نزدیک تو یہاں پر دو قسمیں ہیں تقسیم اول انسان کی تقسیم ہے۔ مومن و کافر کی طرف تقسیم ثانی انسان کی تقسیم ہے۔ منافق اور مخلص کی طرف۔ مگر یہ اقسام باہم جمع ہو سکتی ہیں چنانچہ کافر و منافق جمع ہو سکتے ہیں اور مومن و مخلص جمع ہو سکتے ہیں اس تقسیم کی ایسی مثال ہے جیسے نجات نے کلمہ کی تقسیم کی ہے اسم فعل و حرف کی طرف پھر دوبارہ تقسیم کی ہے مذکر و مؤنث کی طرف و علیٰ ہذا۔ تو یہ اقسام باہم جمع ہو سکتی ہیں یہ تو جمہور مفسرین کی توجیہ کا حاصل ہے۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں ایک ہی تقسیم ہے اور مقسم بھی واحد ہے۔ یعنی انسان مقسم ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ مومن و کافر۔ پھر کافر کی دو قسمیں ہیں۔ مجاہد و منافق۔ اور مومن کی دو قسمیں ہیں ایک طالب آخرت اور ایک طالب حق۔ پس کل چار قسمیں متبائن ہو گئیں۔ کافر مجاہد اور کافر غیر مجاہد اور مومن طالب آخرت مومن طالب حق بدون التفات الی الآخرت بدون اس کے کہ آخرت کا طالب ہو۔ ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ میں کافر مجاہد کا ذکر ہے جو کہ دنیائے محضہ کا طالب ہے اور منہم من يقول ربنا آتنا في الدنيا

حسنہ . الخ میں مومن طالب آخرت کا ذکر ہے اور من الناس من يعجبك قوله میں کافر غیر مجاہد یعنی منافق کا ذکر ہے اور من الناس من يشرى نفسه میں مومن طالب حق کا ذکر ہے جو محض طالب رضاء ہے آخرت اور دنیا دونوں کی طرف ملقت نہیں۔

بقول ایک صاحب حال کے

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آج اب تو خلوت ہوگئی

ومن لم يذق لم يدرك رزقنا الله هذا الذوق في حياتنا وقت مماتنا ولنختم الكلام مستعنين برحمة الله العلام.

مقالات حکمت

وساوس کفریہ

(مضمون) بعض اوقات تو اپنے خیالات و وساوس کو بالکل کفریہ (خدا کرے کہ نہ ہوں) سمجھ کر سخت مایوسی اور یاس کے عالم میں ہو جاتا ہوں۔

(جواب) کفر کیا، وہ تو معصیت بھی نہیں ذرا اندیشہ نہ کہیں وسوسہ پر ذرا مواخذہ نہیں بلکہ اس میں ایک گو نہ مجاہدہ ہے جس سے قرب بڑھتا ہے۔ اور شیطان اس راز سے ناواقف ہے ورنہ کبھی وسوسہ نہ ڈالے۔

حوادث سے ایمان بڑھ جاتا ہے

آج کل جو حضور مع اللہ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے اس کی بابت یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ کہیں ضعف دماغ سے تو مسبب نہیں ہے کیونکہ جس دن نیند

پوری نہیں ہوتی اور دماغ میں بیس غالب ہوتا ہے اس دن میری قوت تصور خاص طور سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ الخ

جواباً حضرت نے فرمایا ماشاء اللہ بہت اچھی حالت ہے۔ بیس کے غلبہ سے زیادت ہونے سے اصل کیفیت کا اس بیس سے مسبب ہونا لازم نہیں آتا اگر اصل کیفیت پہلے سے نہ ہوتی تو بیس سے زیادت کہاں سے آ جاتی۔ جس طرح اصل محبت قلب میں ہو اور تجد و نعمت سے وہ بڑھ جاوے تو اس سے یہ تھوڑا ہی لازم آیا کہ اصل محبت اس نعمت ہی سے ہے یا اس سے اس محبت کے ضعف کا شبہ کیا جاوے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اہل ایمان کے ایمان میں نزول آیات بلکہ وقوع حوادث کے وقت ایمان بڑھ جاتا تھا قال اللہ تعالیٰ ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا﴾
الآیۃ ﴿

درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ
سیدنا بڑھانا

(۱) درود شریف میں حضور سرور عالم ﷺ کے اسم مبارک کے قبل لفظ سید بڑھانے کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ حضرات علماء سے دونوں ثابت ہیں سید کہنا بھی اور نہ کہنا بھی۔ ایک میں یعنی بڑھانے میں کمال محبت ہے اور ایک میں یعنی نہ بڑھانے میں کمال متابعت۔ کیونکہ شارع سے منقول نہیں۔ اپنا اپنا ذوق ہے اگر کوئی حدیث کی بناء پر کہ اس میں لفظ سید نہیں آیا سید نہ کہے تو کمال متابعت ہے اور اگر کوئی کہے تو یہ کمال ادب ہے۔

(۲) صوفیہ کرام کے یہاں سب طریقوں کی گنجائش ہے کسی پر تنگی نہیں۔ گو خواہ ادب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں مگر دوسروں پر بھی نکیر

نہیں کرتے۔ سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں۔ اگر کوئی درود شریف میں لفظ سید نہیں بڑھاتا اس کو بھی محمول کرتے ہیں کمال متابعت پر۔ اسی طرح ان کے یہاں کا مسلم مسئلہ ہے کہ طریق الوصول الی اللہ تعالیٰ بعدد انفاس الخلائق . یعنی وصول کے بیشمار طریق ہیں۔ غرض جتنی گنجائش کی صورتیں نکل سکتی ہیں نکالتے ہیں۔ اور سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں۔ (اشرف السوانح جلد سوم)

شیخ طریقت کا ولی ہونا ضروری نہیں لیکن اگر شیخ ولی یعنی متقی ہو گا تو اسکی تعلیم میں برکت ہوگی

شیخ طریقت کا ولی ہونا ضروری نہیں :

فرمایا کہ اگر کوئی شخص اصلاح اخلاق کے فن کو جانتا ہو اور تربیت باطن کے طریقوں سے واقف ہو تو اس شخص کی نسبت یہ تو جائز ہے کہ اس کو شیخ کہا جاوے لیکن کسی شخص کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ولی ہے جائز نہیں کیونکہ شیخ تو اس کو کہتے ہیں کہ جو فن تربیت سے واقف ہو اور کسی کی فن دانی کا علم دوسرے شخص کو ہو سکتا ہے اور اس علم کی بناء پر اس فن کے جاننے کا حکم بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ بخلاف ولایت کے کہ ولایت نام ہے عند اللہ تعالیٰ مقرب و مقبول ہونے کا اور اس کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا (یعنی یقین کے ساتھ نہیں ہو سکتا گو آثار و علامات سے ظن ہو سکتا ہے مگر دعویٰ جازم کے لئے ظن کافی نہیں)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر اس شخص کو جو فن تربیت باطنی سے واقف ہو شیخ کہہ سکتے ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص شیخ طریقت ہو مگر ولی نہ ہو۔ اس طرح سے کہ وہ متقی نہ ہو۔ کیونکہ شیخ کہتے ہیں فن داں کو اور فن دانی کے لئے تقویٰ طہارت شرط نہیں۔

مگر اس پر ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ پھر شیخ کامل کی علامت میں تقویٰ

طہارت کو کیوں داخل کیا گیا ہے کیونکہ طالب کو تو صرف تعلیم و تربیت مقصود ہے اور یہ مقصود ہر اس شخص سے حاصل ہو سکتا ہے جو اس فن کو جانتا ہو عام اس سے کہ وہ متقی ہو یا غیر متقی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ کامل کے شرائط میں جو تقویٰ کو داخل کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر متقی کی تعلیم و تربیت میں وہ برکت نہیں ہوتی جو ایک متقی شیخ کی تعلیم میں ہوتی ہے۔

اور اس فرق کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیخ متقی اپنے متعلقین کی تعلیم و تربیت میں موید من اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یعنی شیخ متقی کے قلب میں طالب کی اصلاح کے متعلق ایسے مفید اور لطیف طریقے وارد ہوتے ہیں جن سے غیر متقی محروم ہوتا ہے مثلاً اگر شیخ متقی ہے تو اس کی تعلیم کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ اس کی ذرا سی تعلیم سے طالب کے سالہا سال کے امراض بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں۔ بہ خلاف غیر متقی کے کہ اس کی تعلیم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس لئے طالب کو شیخ متقی تلاش کرنا چاہئے۔ اس برکت کے اعتبار سے کامل شیخ وہی ہے جو متقی بھی ہو۔ اسی وجہ سے شیخ کی شرائط میں تقویٰ و طہارت کو داخل کیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بدون تقویٰ و طہارت کے شیخ کامل بالمعنی مذکور نہیں ہو سکتا گو مطلق شیخ ہو سکتا ہے۔ (اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۷۲)

ملکات نفسانی یا جبلیات جبلی ہوتے ہیں۔ انکا ازالہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ انسان اسکا مکلف نہیں

ملکات نفسانی جبلی :

(۱) ایک طالب نے اپنے بعض نفسانی ملکات کو ظاہر کر کے حضرت والا سے ان کی اصلاح چاہی اور ان کے ہونے پر سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا کہ یہ مجھ میں کیوں ہیں۔ حضرت والا نے فوراً تسلی فرمائی اور اس تسلی بخش عنوان سے کہ ایسے ملکات سے کون خالی ہے یہ تو مجھ میں بھی ہیں۔ ان کے زائل کرنے کی تو

فکر ہی بیکار ہے کیونکہ یہ جبل ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی۔ نہ انسان جبلی امور کے بدلنے کا مکلف ہے کیونکہ ان کا بدلنا غیر اختیاری ہے۔ البتہ ان کے مقتضاء پر عمل کرنا جبلی نہیں نہ غیر اختیاری ہے۔ لہذا ہمت کر کے اختیار سے کام لیا جائے اور ان ملکات کے مقتضاء پر عمل نہ ہونے دیا جائے۔ باقی نفس ملکات چاہے جیسے فاسد ہوں وہ اس وقت تک مطلق قاتل افسوس نہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو بلکہ ایک معنی سے قاتل مسرت ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے عمل میں مشقت ہوتی ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے اور نفس کا ترکیہ ہوتا ہے۔ اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است کہ از حمام تقوی روشن است

(اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۶۲)

پھر فرمایا کہ ایسا شخص دوسروں کی خوب تربیت کر سکتا ہے اور نفس کی باریک سے باریک چوریاں بھی پکڑ سکتا ہے کیونکہ اس کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے۔

ملکات رزیلہ کے متعلق حضرت والا اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ ملکات رزیلہ کا ازالہ نہیں امالہ کیا جاتا ہے اور یہ ارشاد بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ انسان کے اندر جتنی جبلی صفات ہیں وہ سب محمود ہیں البتہ ان کا بے موقع استعمال کرنا مذموم ہے اس ارشاد کو نقل فرما کر حضرت والا اس کی شرح میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ شیوخ کاملین ملکات رزیلہ کا ازالہ نہیں کرتے نہ ان کا ازالہ ہو سکتا ہے بلکہ امالہ کر دیتے ہیں۔ جیسے اگر انجن الٹا چل رہا ہو تو اس کے اندر جو بھاپ ہے اس کو تو باقی رکھنا چاہئے کیونکہ بھاپ تو فی نفسہ بڑے کام کی چیز ہے ہاں انجن کی کل کو موڑ دینا چاہئے تاکہ بجائے الٹا چلنے کے وہ سیدھا چلنے لگے اور بہت جلد منزل مقصود تک پہنچ جاوے۔

(اشرف السوانح جلد ۲ ص ۲۶۵)

غصہ کا ہر درجہ مذموم نہیں

ایک طالب کو غصہ کا نہایت سہل علاج بطور کلیہ کے تحریر فرمایا۔ کہ غصہ کے اقتضاء پر عمل کرنے کا ہر درجہ مذموم نہیں مگر چونکہ اکثر درجہ مباحہ سے تجاوز ہو جاتا ہے اس لئے بطور علاج کے بعض درجات مباحہ سے بھی روکا جاتا ہے اس بناء پر ان سب صورتوں میں مشترک علاج یہ ہے کہ غصہ کے وقت کلام بالکل نہ کیا جائے۔ جب ہیجان بالکل ضعیف ہو جائے اس وقت ضروری خطاب کا مضائقہ نہیں اور اگر اس خطاب کے دوران میں پھر ہیجان عود کر آوے پھر ایسا ہی کیا جاوے۔ اھ

انھیں طالب کا پھر دو سرا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا کہ ارشاد فرمودہ علاج سے الحمد للہ غصہ کے مرض کا استیصال ہو گیا۔ اب اس کے مقتضاء پر عمل نہیں ہوتا نیز غصہ آنا بھی بہت کم ہو گیا ہے اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا۔ کہ مبارک ہو مگر احتیاطاً اس علاج کا استحضار اب بھی رکھا جاوے بعض اوقات زہول سے عود کر آتا ہے۔ اھ

ولی کی پہچان

فرمایا ولی کی دو قسمیں ہیں ایک ولی کامل، دوسرے ولی متوسط۔ ولی متوسط کی پہچان تو آسان ہے کیونکہ اس میں بعض ایسی صفات ہوتی ہیں کہ جن کو عوام الناس بھی علامات ولایت سمجھتے ہیں بخلاف ولی کامل کے کہ اس کے اندر کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی بلکہ ولی کامل کی شان بالکل انبیاء علیہ السلام کی سی ہوتی ہے۔ اور انبیاء علیہ السلام کی سادگی کا یہ حال تھا کہ کفار ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ (مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ) کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ

جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی کھاتے پیتے ہیں جیسے ہم اپنے انتظام معاش کے لئے بازاروں میں آتے جاتے ہیں یہ بھی آتے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ولی کامل کی شناخت ہر شخص کا کام نہیں بلکہ بہت مشکل ہے حتیٰ کہ عوام تو کیا بعض اوقات ایک ولی کو دوسرے ولی کی پہچان مشکل ہے۔ اسی لئے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ ولی راوی می شناسد یہ صحیح نہیں کیونکہ اولیاء کی شانیں مختلف ہوتی ہیں تو ایک شان کا ولی دوسری شان والے کو کیسے پہچانے گا بلکہ صحیح یہ ہے کہ ولی راہی می شناسد کیونکہ نبی میں سب شانیں کمالات کی جمع ہوتی ہیں اس لئے اولیاء کی شانوں کی بھی ان کو معرفت ہوتی ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

فرمایا کہ شیخ کامل وہ ہے جو اپنے مقام سے اتر کر طالب کی تعلیم و تربیت کرے کیونکہ اگر شیخ نے طالب کے مقام پر نزول نہیں کیا بلکہ اپنے مقام پر رہ کر طالب کی تربیت کرنا چاہے تو اس سے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا جیسے کہ استاد کامل وہ ہے کہ جب وہ کسی اپنے شاگرد کو میزان پڑھائے تو شاگرد کے مقام پر اتر کر میزان پڑھائے اور جو استاد اپنے مقام پر رہ کر میزان پڑھانا چاہے گا تو وہ استاد کامل نہیں۔ نہ اس سے اس کے شاگرد کو کچھ نفع پہنچے گا۔ (اشرف السوانج جلد دوم)

اہل حق اور اہل ناحق کے تصرفات میں فرق

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اہل باطل بھی تصرفات لوگوں پر کرتے ہیں اور بعض اہل حق بھی اپنے مریدوں پر تصرف کرتے ہیں۔ تو کیا اہل حق اور اہل باطل کے تصرفات میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ہاں فرق ہوتا ہے اور اس فرق کی جو وجہ ہے وہ عجیب ہے جو ابھی سمجھ میں آئی ہے فرق یہ ہے کہ اہل حق

کے تصرفات اتنے قوی نہیں ہوتے جتنے اہل باطل کے تصرفات قوی ہوتے ہیں۔ اور اہل حق کے تصرفات کے اتنے قوی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تصرفات کے اثر کی قوت کا دار و مدار قوت خیالیہ پر ہے اور خیال میں قوت ہوتی ہے یکسوئی سے تو اور اہل حق کو اس خیال میں جو غیر ذات حق کے متعلق ہو زیادہ یکسوئی نہیں ہوتی کیونکہ اہل حق کے دل میں تو صرف ایک ہی ذات بسی ہوئی ہوتی ہے لہذا وہ اگر دوسری طرف توجہ کرتے بھی ہیں تب بھی وہ چیز جو ان کے دل میں بسی ہوئی ہوتی ہے ان کے دل سے نہیں نکلتی بلکہ بار بار ان کے دل میں وہی خیال حق تعالیٰ کا آتا رہتا ہے لہذا غیر حق کی طرف جو ان کی توجہ ہوتی ہے اس توجہ میں ان کو پوری یکسوئی نہیں ہوتی بلکہ غیر کی طرف اتنی توجہ کو کہ جس میں حق تعالیٰ کا خیال بالکل ہی نہ آئے یا مضلل ہو جائے وہ حضرات خلاف غیرت بھی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ عبید اللہ حرارؒ نے فرمایا ہے کہ عارف راہمت نہ باشد۔ ہمت اصطلاح عارفین میں تصرف کو کہتے ہیں۔ اور خلاف غیرت سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ مذاق ہوتا ہے

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

تو چونکہ اہل حق کی وہ توجہ جو غیر حق کی طرف ہوتی ہے ضعیف درجہ کی ہوتی ہے اس وجہ سے اہل حق کو اس خیال میں جو غیر حق کے متعلق ہوتا ہے پوری یکسوئی نہیں ہوتی۔ لہذا اس خیال میں قوت بھی نہیں ہوتی اور قوت خیالیہ ہی پر دار و مدار تھا تصرف کے اثر کی قوت کا لہذا اہل حق کے تصرفات میں اتنی قوت بھی نہیں ہوتی جتنی اہل باطل کے تصرفات میں ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے جہاں سے چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے۔

جواب۔ فرمایا آمیں تین مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصالِ ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضارِ موت کا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس ہوتا ہے خواہ آہستہ آہستہ پڑھا جاوے یا زور سے۔ حق تعالیٰ مردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر ناظر سمجھنے لگے۔ تیسرے یہ بھی ہے کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی مردہ کو راحت پہنچتی ہے۔

جواب۔ فرمایا کہ عبادتِ مالیہ کا ثواب بہ نسبت عبادتِ بدنہ کے مردہ کے حق میں زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ مسئلہ خود اہلِ سنۃ والجماعۃ میں مختلف فیہ ہے کہ عبادتِ بدنہ کا ثواب بھی مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف عبادتِ مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے عبادتِ بدنہ کا نہیں پہنچتا۔ اور اماموں کے نزدیک بھی یہی بات ہے۔ البتہ ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ بہر حال عبادتِ مالیہ کے ثواب کی افضلیت مردہ کے حق میں اس وجہ سے ثابت ہے۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہنچتا ہے تقسیم ہو کر نہیں پہنچتا لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کا گمان غالب اس کے خلاف تھا۔ عرض کیا گیا حضور کا گمان غالب کیا ہے۔ فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ کسی گمان کی ضرورت ہی نہیں پھر فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی صرف حضور ﷺ کی روح مبارک کو ثواب بخش دیا کرے خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو مثلاً تین بار قل ھو اللہ پڑھے ایک کلام مجید کا ثواب پہنچ جائے گا۔ پھر اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روز مرہ پڑھتا ہوں اس کا ثواب حضور کو

اور تمام انبیاء و صلحاء و عام مسلمین و مسلمات کو جو مرچکے یا موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے سب کو بخش دیتا ہوں اور کسی خاص موقعہ پر کسی خاص مردے کے لئے بھی کچھ پڑھ کر علیحدہ بخش دیتا ہوں استفسار پر فرمایا کہ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ (کلمات اشرفیہ)

بدیعہ غلطی در معنی آیت و اذ اقاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ اور یہاں سے بعض وا غلطین کی غلطی معلوم ہو گئی کہ وہ یہ آیت یعنی ﴿وَ اِذَا قَامُوا الی الصَّلٰوةِ قَامُوا کَسَالٰی﴾ (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ۱۲) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔

حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو یہ وہ کسل نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں۔ نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے۔ اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہونا آیت ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور (اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ منازعت نفس کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں

کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے۔ تو اس منازعت دکشاشی کی وجہ سے دشواری آجانا سیر فی نفسہ کے خلاف نہیں اسی لئے قرآن میں ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ سے پہلے ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ (اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو) بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے۔ پس ایک جزو ہی کو مت دیکھو دونوں جزوں کو ملاؤ تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے۔ اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشاء منازعت نفس ہے یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں۔

اور دوسرا اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا و رسول پر ہی ایمان نہیں ہے۔ محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ پڑھے گا بلکہ بیگاری سیٹالے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ یہ کسل منافقین کی شان ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔ بہر حال اعمال شرعیہ میں مجاہدہ کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے۔ مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ منتہی کو کم۔ اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ

میں لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں۔ تاکہ ذاکرین دھوکہ سے بچتے رہیں۔ اور حظوظ نفس کے طالب نہ ہوں۔ یاد رکھو۔ ذکر و شغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔ وہ غلبہ کے ساتھ وارد

نہیں ہوتیں اور ان کی علامت یہ ہے کہ یونانیوں ان میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور کیفیات نفسانیہ کا ورود غلبہ سے ہوتا ہے۔ جن میں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے۔ گو یہ اس میں مجبور و معذور ہو۔ مگر یہ کیفیت مطلوب و مقصود نہیں اور نہ ان کے لئے بقاء ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے۔ کیفیت روحانیہ اور لذت روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا کرے۔ جلدی نہ کرے اور کوئی چیز اس کو نماز سے مشغول نہ کرے۔ یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ اور بدون نماز کے قلب کو چین نہ ملے۔ وقت آتے ہی نماز کیلئے دل بے چین ہو جائے۔ اسی کو خلوص اور احسان کہتے ہیں۔ یہ ہیں کیفیات روحانیہ۔ بخلاف ان کیفیات کے جو سادہ لیکن کو وسط میں پیش آتی ہیں جیسے محویت اور استغراق وغیرہ ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے۔ سو یہ کیفیات مقصود نہیں۔ اور جس کو خلوص حاصل ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے وساوس آتے ہوں۔ اس حالت میں بھی اس کا طالب لذت و محویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ

پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

(کوثر العلوم ص ۶ ص ۲۲۹)

وحدة الوجود ووحدة الشہود کی تفسیر بذریعہ کشف

حال : سجد و شعور کے ساتھ کالبرق الخاطف یہ حالت پیش آئی کہ اپنی فنایت و عجز و ناتوانی و ضعف پر نظر اور وحدت حق کی بقا و اثبات کا حضور اور شہود وحدت کے سامنے بحکم کل شئی ہالک الخ ہر شے لاشے کا عدم مثل قطرہ پیش بحر نظر میں ہیچ معلوم ہوئی سعدیؒ

رہ عقل جز ہیچ در ہیچ نیست بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست
ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند کہ بایستیش نام ہستی برند

اس معنی کر کے حقیقت کل حق وہمہ اوست معلوم و مکشوف ہوئی
چنانچہ قائل کہتا ہے

تو جزوے و حق کل است گر روزے چند

اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی

یہاں نہ جزو کل معلوم ہوتا ہے اور نہ کل جزو۔ بلکہ جزو کا انانیت اور خودی کہ حجاب دوئی اور شرک خفی ہے بغلبہ نور وحدت اور عظمت حق کی مغلوب ہو جاتی ہے

تو اونشوی ولے اگر جمد کنی جائی برسی کز تو دوئی بر خیزد

حافظؒ

میاں عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں بر خیزد

جائیؒ

رفعت اوز میاں ہمیں خدا ماند خدا الفقر اذا تم ہو اللہ انیت

ظاہر ہے کہ نور عظمت آفتاب کے غلبہ سے ستارہ کی انانیت مغلوب اور مستتر ہو جاتی ہے۔ اس معنی کر کے ستارہ اپنے تئیں مغلوب اور ہیچ پا کر کل آفتاب معلوم کرے تو یہ معلوم کرنا اس کا حق معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح شہود و نور وحدت حق اور عظمت ذات کے غلبہ سے انانیت اور خودی اپنی مغلوب ہوتی ہے اور اس معنی کر کے کل حق اور ہمہ اوست معلوم و مکشوف ہوتا ہے اور علاوہ اس کے موحدین عاشقین اور عارفین کی نظر میں بھی باعتبار اثبات و بقا و عظمت حق و جامعیت صفات کاملہ کے وحدت حق کل اور بہت معلوم و مشہود ہوتی ہے اور کثرت کہ اعتباراً بہت ہی ان کی نظر میں باعتبار فنائیت مردہ اور ضعیف اور بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے۔

اس معنی کر کے بھی موحدین کل حق و ہمہ اوست کہتے ہیں۔ اور قطع نظر وحدت و کثرت ذات بیچوں و بیچگوں مبرا و منزا فہم ادراک سے وراء الورا ہے۔ اور نہ اس معنی کو کہتے ہیں کہ وحدت و کثرت کل ایک ذات واحد ہے اور یہ ذوق و حال کہ سب کو ایک ذات کہیں سب کے خلاف ہے تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ اور مغلوبین و ملحدین کا تو یہی مذاق ہے کہ فرق حادث و قدیم اور خالق و مخلوق میں نہیں کرتے اور سب کو ایک ذات واحد جانتے ہیں۔ ولا موجود الا اللہ کے تحت میں خدائی کا دم بھرتے ہیں۔

گمان غالب ہے کہ صوفیہ مغلوبین بغلبہ سکر و حال مغلوب و معذور مثل قلم در دست کاتب مرفوع القلم ملبوب العقل ہو کر یا ملحدانہ ہر شے کو متحد مع الحق اور اس کا عین جان کر شطیحات و غیرہ یہیں سے کہتے ہیں۔ اور جب یہ وہم خوب ترقی کرتا ہے اور یقین کے درجہ کو پہنچتا ہے تو فرق نہیں کر سکتے ہیں۔ اور عینیت کے قائل ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام شرعی میں ست ہو جاتے ہیں۔ اور محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور بعض بالکل عبودیت کے اعتقاد سے نکل کر الوہیت کا دم بھرتے ہیں۔ چنانچہ مدعیان مذاق زیادہ تر اسی قسم کے ہیں۔ اور

باقی وجود عارف النادر کالمعدوم ہے کہ فرق کر کے ان مہلکات سلوک سے بچے۔ اور دوسروں کو بھی بچاویے۔

فرمایا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے نہ ان کی بناء پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہئے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے۔ جیسے کوئی بری بری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اس کے روکنے پر قدرت نہ ہو تو باوجود ناگوار ہونے کے اس کو مجبوراً بلا قصد و بلا اختیار سننا ہی پڑے گا یعنی وہ سامع ہو گا مستمع نہ ہو گا نہ متکلم ہو گا۔ لہذا اس کا کیا قصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اس کو اجر ملے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کیلئے نہایت شوق کے ساتھ جھپٹا ہوا چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کا دشمن ملا اور اس کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے اس کو سنا سنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات کہنے لگا تو گو ناگوار تو بہت ہو گا لیکن عقل اور طلب کا مقتضائی ہے کہ اس نالائق اور نمک حرام کی بیہودہ بکواس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے۔ ورنہ اگر رد و کد شروع کر دی تو حاضری دربار کے وقت کے گزر جانے کا اندیشہ ہے۔ بس اس کو چاہئے کہ صبر کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے پھر جب دربار میں رسائی ہو جائے گی تو اول تو وہ کم بخت آپ ہی پیچھا چھوڑ دے گا ورنہ کان پکڑ کر نکلوا دیا جائے گا۔ چنانچہ اکثر عادیۃ اللہ یہی ہے کہ بعد وصول تام خطرات فنا ہو جاتے ہیں اور اگر معتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیاریہ پر مطلق مواخذہ نہیں نہ وہ معصیت ہیں۔ البتہ اذیت و کلفت ضرور ہوتی ہے مگر اس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھتے ہیں۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۳)

فرمایا کہ خطرات کی خاصیت بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر اس کو اپنی طرف کھینچنے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہے اور اگر ہٹانے کی نیت سے

ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ پلٹتا ہی ہے۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے نہ جلابانہ سلباً اسی طرح خطرات و وسوسے امن کی صورت میں ہی ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے نہ جلابانہ سلباً۔

فرمایا کہ قلب کی مثال شاہی سرک کی سی ہے جس پر امیر، غریب، شریف، رذیل سب ہی چلتے ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک دوسرے کو روکے۔ اگر چہمار اور بھنگی بھی چل رہے ہیں تو حرج ہی کیا ہے وہ اپنے راستے جارہے ہیں یہ اپنے راستے چل رہے۔

لہذا خطرات کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور غوروخوض تو ہرگز نہ کیا جائے کیونکہ خطرات کے اندر بس خوض کرنا ہی غضب ہے اس سے بجائے شفا ہونے کے اور زیادہ پریشانی بڑھتی ہے اور خطرات کا بہت زیادہ ہجوم ہونے لگتا ہے۔ اور گوان کا ہجوم دین کے لئے مطلقاً مضر نہیں کیونکہ بوجہ غیر اختیاری ہونے کے معصیت نہیں لیکن ان سے اذیت بے حد ہوتی ہے۔ اور ان سے نجات پانے کی جو تدابیر بتائی جاتی ہیں وہ بھی دفع اذیت ہی کے لئے بتائی جاتی ہیں نہ کہ معصیت ہونے کی بناء پر کیونکہ اپنے آپ کو بلا ضرورت مشقت اور پریشانی میں ڈالنا بھی تو مناسب نہیں۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۸)

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کبھی خطرات کا سبب لطافت طبع اور ذکاوت حس ہوتی ہے جس پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے۔

اے روشنی طبع تو برمن بلا شندی

کبھی عوارض طیبہ کبھی رذائل نفسانیہ، کبھی تصرفات شیطانیہ، کبھی معاصی اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب سے طلب کا امتحان ہوتا ہے اور کبھی خطرات ان اسباب میں سے ایک سے زائد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں جب سبب کی تشخیص نہ ہو سکے تو سبب معالجات کو جمع کر لیا جائے۔ لیکن

صورت میں علاوہ معالجات خاصہ کے سب کا مشترک علاج یہی ہے کہ التفات نہ کرے اور خوض نہ کرے۔ نہ خطرات میں نہ ان کے اسباب میں۔

نیز حضرت والا رذائل نفسانیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ ملکات رذیلہ پر مواخذہ نہیں کہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ افعال پر مواخذہ ہے جو اختیاری ہیں۔ ملکات رذیلہ کے مقتضاء پر بس عمل نہ ہونے دے باقی اس فکر میں نہ پڑے کہ ملکات رذیلہ زائل ہو جائیں کیونکہ وہ زائل نہیں ہوا کرتے۔ البتہ مجاہدات اور تکرار مخالفت نفس سے مشغول ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہ جلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی البتہ افعال جلی نہیں ان پر اختیار ہے ان کا صدور نہ ہونے دے اور نہ اس غم میں پڑے کہ میری جبلت ہی کیوں ایسی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں ان کی اس میں سینکڑوں حکمتیں ہیں۔ نیز رذائل نفس سے کون خالی ہے کم و بیش سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے فعل میں نہ لائے جاویں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں۔ جیسے دیا سلائی میں سب مادے جل اٹھنے اور بھڑک اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لئے پھرے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب ”نے خطرات کا عجیب و غریب علاج ارشاد فرمایا تھا وہ یہ کہ یوں سوچا کرے کہ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ نے قلب کو بھی کیسا بحر موج بنایا ہے کہ خطرات موجوں کی طرح اٹدے ہی چلے آتے ہیں۔ کسی طرح روکے رکھے ہی نہیں کیا خدا کی قدرت ہے کیا خدا کی صفت ہے۔ اس کو نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا لطیف معالجہ ہے کہ جن خطرات کو سالک آلہ بعد سمجھ رہا تھا انہیں کو مرآۃ جمال خداوندی بنا کر موجب قرب و مشاہدہ بنا دیا آہ احقر مولف عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب ”کا ایک اور بھی لطیف

معالجہ جو خود حضرت والا کے لئے حضرت والا کی حالت رفیعہ اور شان عالی کے مناسب تحریر فرمایا تھا اس جگہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مکتوب نمبر ۴ مورخہ ۱۹ رجب ۱۳۱۶ھ میں جس کی نقل نقول مکتوبات امدادیہ میں نمبر ۴۰ پر پہلے اپنے موقع پر پیش بھی کی جا چکی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۹)

ضروری تنبیہ: بعون اللہ تعالیٰ وبفضلہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ تحریری و تقریری معالجات خطرات کی نقل سے فراغت ہوئی۔ اب آخر میں ان سب معالجات کے متعلق حضرت والا ہی کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک نہایت ضروری تنبیہ نقل کی جاتی ہے جس کو حضرت والا نے اس حصہ کو سن کر نہایت اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اس قدر ضروری بات ہے کہ بغیر اس کے یہ سارا مضمون ہی معالجات خطرات کا نامکمل رہ جاتا ہے وہ تنبیہ یہ ہے کہ ان سب مذکورہ بالا معالجوں کی شرط نفع یہ ہے کہ ان معالجوں کو معالجہ سمجھ کر اور دفع خطرات کی نیت سے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ مستقل اعمال مفیدہ سمجھ کر اختیار کیا جائے اور نتیجہ خاص یعنی اندفاع خطرات کا بھی انتظار نہ کیا جائے ورنہ اس انتظار سے تعجیل اور تعجیل سے تقاضا اور تقاضے سے تشویش پیدا ہوگی اور بھلا تشویش کے ہوتے ہوئے خطرات کیونکر دفع ہو سکتے ہیں بلکہ بجائے انتظار اندفاع خطرات کے اپنی طرف سے اس پر بالکل آمادہ رہا جائے کہ اگر ساری عمر بھی خطرات سے نجات نہ ملے تب بھی کچھ پرواہ نہیں جو کام ہم کو بتایا گیا ہے بس وہ ہم کر رہے ہیں اس سے زیادہ کے ہم مکلف ہی نہیں۔ اور ہر حال میں اس امر واقعی اور عقیدہ واجبہ کا استحضار رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی بناء پر تو ان کو اپنی مخلوق کے اندر ہر قسم کے تصرفات کرنے کا پورا حق اور کامل اختیار حاصل ہے وہ اپنے بندوں کے اندر جو چاہیں تصرف

فرمائیں کسی کو مجالِ چون و چرا نہیں۔ اور حکیم ہونے کی بناء پر بندہ کو ان کے ہر تصرف کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھ کر بالکل مطمئن رہنا چاہئے کہ یہ تصرف میرے حق میں سراسر حرکت ہے گواہی تفصیلی حکمتیں معلوم نہ ہوں۔

خشوع کے حاصل کرنے کا طریقہ

خشوع کی تحصیل کیلئے اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ تحصیلِ خشوع کی علت کے اجزاء میں سے ایک جزء یہ بھی ہے۔ اور دوسرا جزء یہ ہے کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جاوے۔ تیسرا جزء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت کو دل میں جگہ دی جائے۔ اور اس خشیت کے پیدا کرنے کیلئے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اس میں تمام بیٹھ کر اپنی حالت عصیان اور پھر اللہ تعالیٰ کے نعم اور نیز اس کے عذابِ آخرت اور عیامت کے احوالِ پل صراط و میزان و دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا جائے۔ اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کو معمول کر لیا جاوے۔ تو انشاء اللہ بہت کچھ فائدہ ہو۔ چوتھا جزء علتِ خشوع کا یہ ہے کہ اگر ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کئے ہیں۔ تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجئے۔ یعنی کم سے کم دس مہینے ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجئے۔ اور اس کے ارشاد کے مطابق چلئے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولتِ خشوع عطا فرمادیتے ہیں۔

﴿اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾

کیا وقت نہیں آیا مسلمانوں کے لئے اس بات کا کہ ان کے دل عاجزی کر س اللہ کی یاد کے وقت۔

یعنی کیا مسلمانوں کے لئے ہنوز وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلبِ خشوع کرنے لگیں اور ظاہر ہے کہ شکایت اس امر کی ترک پر ہوتی ہے جس کا کرنا

نہایت ضروری اور واجب ہو۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اس کا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علي نور من ربه . فويل للقسية قلوبهم من ذكر الله﴾ الخ

بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے کھول دیا اسلام کے لئے پس وہ اپنے پروردگار کی جانب سے روشنی پر ہے (کہیں سخت دل کے برابر ہو سکتا ہے) تو افسوس ان کو جن کے دل سخت ہیں یاد الہی سے۔

اور آگے فرماتے ہیں

﴿الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الي ذكر الله﴾

اللہ نے نازل فرمایا بہتر کلام ایک کتاب کہ جس کی بعض باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں دو ہرائی ہوئی کہ روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کے سننے سے ان لوگوں کی کھال پر جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتی ہیں ان کی کھالیں اور دل اللہ کی یاد میں۔

تو اس میں آیت قساوت کا مقابل لین کو فرمایا ہے اور لین وہی خشوع ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے اور قساوت کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

”ان ابعد شئني من الله القلب القاسي.“

سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور سخت دل ہے۔

تو خشوع کی تاکید کرنا جیسا کہ سابق کی آیات میں ہے اور قساوت کی مذمت کرنا جس کا حاصل خشوع کے ترک پر مذمت کرنا ہے جیسا مابعد کی آیت میں ہے۔ اس سے زیادہ اس کے ضروری اور واجب ہونے کے لئے کیا

چاہئے۔ پس ہر عالم اور طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے اور اس کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے۔ غیظ اور غضب میں مغلوب نہ ہو۔ انتقام کی فکر میں نہ رہے علیٰ ہذا اور ان کو آثار اس لئے کہا کہ جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی تو جوارح پر اس کا اثر ضرور پڑے گا۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ۔

حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو یہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔ اب اسکی ضرورت اور آثار معلوم ہو جانے کے بعد دیکھ لیجئے۔ کہ آیا ہمارے قلب میں خشوع ہے یا نہیں اور ہم ان تخشع قلوبہم کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے تو کیا وجہ کہ اس کے آثار نہیں پائے جاتے اس کی کیا وجہ کہ ہم کو اپنا کام خود کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کرنے سے عار آتی ہے۔

صاحبو! حضور انور ﷺ سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے کہ حضور کی کیا حالت تھی فرماتے ہیں انی اکل کما یا کل العبد کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں کہ جیسے کوئی غلام کھاتا ہے جس میں تجبر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ اکڑو بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور ﷺ کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہ تھا۔ کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی پیچھے ہو گیا اس طرح چلتے تھے لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے آرام کرنیکی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر

آرام کرتے تھے۔ معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضور ﷺ کے منقول ہیں تو کس لئے کیا اس لئے کہ ہم سنیں اور پرواہ بھی نہ کریں۔ صاحبو! جس طرح حضور ﷺ کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو ارشاد ہے۔

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾
تمہارے لئے حضور ﷺ کا اقتدا کافی ہے۔

تو یہ افعال بھی سب اتباع ہی کے لئے ہیں کہ ہماری بھی وہی وضع ہو وہی چال ڈھال ہو، وہی معاشرت ہو۔

ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آئیں ذرا مضر نہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم ۱۲۶)

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصد سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظارہ ذہن میں قصد اٹے کر نا مخل خشوع ہے یا نہیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا۔ کہ یہ مسئلہ دقیق ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اس وقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزء ہے۔ صلی رکعتین مقبلاً علیہما بقلہ دوسری موقوف حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قول جس میں یہ جزء ہے ایف لاجہز حیثی وانا فی الصلوۃ مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اس کے غیر کا قصد استحضار بھی

نہ ہوا اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو۔ دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضر ہو جاوے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجنیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں۔ عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں۔

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سناتے وقت خشوع و خضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں عزم کر لیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرات ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرماؤں کہ میری یہ تمنا پوری ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لئے حصول خشوع اس حالت میں عادتاً متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف مالا یطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضراً اور قابل افسوس اس لئے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنی حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الے المقصود ہے۔ (اصلاح الانقلاب ص ۸۹)

نماز خشوع و خضوع سے ہونی چاہئے

ایک کوتاہی جس کو عوام تو عوام بعضے خواص بھی کوتاہی شمار نہیں کرتے اور اس حیثیت سے وہ خاص طور پر اہتمام کے قابل ہے۔ نماز میں خشوع و حضور قلب کا نہ ہونا ہے اس کے مطلوب ہونے کے لئے آیت ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُتَوَكِّلُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (وہ مومن فلاح پاگئے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں) اور اس میں تقصیر کرنے کی مذمت کے لئے آیت ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ﴾ (ایک مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب لرز اٹھیں) کافی ہے اور سب اس کا بالاستقراء دوا مرہیں بعض کو تو اہتمام ہی نہیں ان کے لئے تو بے اعتنائی اور بعض کو اہتمام ہے مگر اس کی حقیقت نہ جاننے سے اس کو اختیار اور قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اس لئے اس کی تحصیل کا ارادہ ہی نہیں کرتے پہلے سبب کا علاج تو آیات بالا کے مضمون میں غور کرنا ہے اور دوسرے سبب کا علاج اس کی حقیقت سمجھنا ہے بعضے ترک نماز کا یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم سے حضور قلب نہیں ہو سکتا اور نماز بدو اس کے ہوتی نہیں۔ سو حقیقت لغویہ خشوع کی سکون ہے اور حقیقت شرعیہ اس کی سکون ارادی ہے قلب اور جوارح کا اور سکون مقابل ہوتا ہے حرکت کے سو جیسی حرکت ویسا سکون تو جوارح کی حرکت تو اینیہ یعنی مکانیہ ہوتی ہے ان کا سکون یہی ہے کہ جس حرکت کا شرعاً مر نہیں وہ حرکت نہ کرے یعنی ارادہ سے ہاتھ پاؤں عبث نہ ہلاوے ادھر ادھر گردن یا نظر سے التفات نہ کرے، سر کو اوپر نہ اٹھاوے، بالوں کو کپڑوں کو بار بار نہ سنوارے، بدو ضرورت نہ کھلاوے، نہ کھنکھارے و نحو ذلک۔ اور قلب کی حرکت فکریہ ہے اس کا سکون عدم الفکو ہے یعنی اپنے ارادہ سے کسی بات کو نہ سوچے سو جیسی حرکت جوارح کی اگر بلا قصد ہو

مثلاً رعبہ سے کسی کی گردن بھتی ہو تو وہ منافی خشوع کے نہیں کیونکہ اختیار سے خارج ہے اور اضطراباتِ مرونی کے تحت میں نہیں ہیں اسی طرح اگر حرکتِ قلب کی بلا قصد ہو یعنی کوئی خیال خود بخود آجاوے تو وہ بھی اسی دلیل سے منافی خشوع کے نہیں پس غلطی لوگوں کی یہ ہے کہ خشوع کے معنی یہ ہیں کہ بالکل خیال نہ آوے اور اس بناء پر اس کو محالِ عادی سمجھتے ہیں مگر اس بناء کا فاسد ہونا ہماری تقریر سے واضح ہو چکا ہے جس سے محرر (واضح) ہو گیا کہ خشوعِ اختیاری فعل ہے اور ہر شخص اس پر قادر ہے اور ہمتِ آسان ہے۔ البتہ ارادہ و توجہ کی ضرورت ہے۔ پس جیسے سب افعالِ ارادیہ کی شان ہے کہ ارادہ کرو تو آسان۔ ارادہ نہ کرو تو دشوار۔ حتیٰ کہ اگر منہ میں لقمہ لے کر بیٹھ جائے اور نگلنے کا ارادہ نہ کرے تو وہ بھی آسان نہیں پس اگر لقمہ نگلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا ہی آسان ہے اور اگر خشوع محال ہے تو لقمہ نگلنا بھی محال ہے دونوں کے سیر اور عسر (آسان اور مشکل) میں کچھ فرق نہیں اور سہل طریقہ اس کا یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ بھی منہ سے نکلے محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کر کے اس کو منہ سے نکالے کہ اب سبحان اللہ کہوں گا۔ اب وبحمدک کہہ رہا ہوں۔ اب وتبارک اسمک منہ سے نکل رہا ہے۔ وعلیٰ ہذا پس جب ہر لفظ پر خاص توجہ رہ گئی لامحالہ حسبِ قاعدہ عقیدہ کہ النفس لا تتوجه الی شیئین فی آن واحد (یعنی نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف کامل طور پر متوجہ نہیں ہوتا۔ دوسرے خیالات بند ہو جاویں گے)

اس مراقبہ کو اول سے آخر تک بالالتزام کرے انشاء اللہ تعالیٰ اول تو بلا قصد بھی کوئی خیال نہ آوے گا اور اگر فرضاً آجاوے تو پھر اس سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے یہ سوچ بھی خیالِ غیر ہے بلکہ اسی عملِ تجدیدِ تعلقِ ارادہ و توجہ کو بطریق مذکور آئندہ کے لئے پھر تازہ کر دے پھر وہ خطرات دفع ہو جاویں گے۔

ذاکر اور اس کے متعلقات

فرمایا ذکر دائم مقصود ہے جس کو جو کچھ ملا ذکر اللہ و اتباع سنت سے ملا۔ طرق ذکر کی تحقیقات و تفصیلات ضروری نہیں۔ رائے شیخ سے اس میں تبدل ہو سکتا ہے۔ نسبت مع اللہ ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ یہ طرق و مجاہدات خاصہ معالجات نفس کے درجے میں ہیں۔ پس چاروں خاندانوں (سلسلوں) کا حاصل ایک ہی ہوا اور ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب قبلہ چاروں خاندانوں میں اس وجہ سے بیعت فرمالتے تھے کہ پھر کسی خاندان پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ جبکہ استخوان فروشوں نے طریقہ اختیار کیا ہے اور حضرت میں ایک جامعیت کی شان تھی۔ (مقالات حصہ اول ملفوظ نمبر ۹۴) (اصول الوصول ص ۱۰ تا ۸ ص ۱۲ تا ۲۰ اشرف العلوم۔ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اشرف المسائل)

فرمایا تجلی ذاتی منتہائے احوال میں سے ہے مقاصد و مقامات میں سے نہیں۔ مقصود رضاء حق ہے۔ ذکر رضاء کیلئے ہونا چاہئے اور زیادہ کیفیات کے درپے نہ ہونا چاہئے۔ فاذا کرونی اذکر کم ارشاد ہے۔ پس ذکر حق پر ثمرہ مقصود یہی ہے کہ وہ ہمارا ذکر کرس۔ رحمت و رضاء سے حالات کے درپے ہونا خلاف شان طلب ہے کیونکہ حالات کا طالب خدا کا طالب کہاں ہے۔ ذکر دائم یعنی یادداشت ہونا چاہئے۔ (ایضاً ملفوظ نمبر ۹۹)

بعضے اہل طریق کو بھی یہ غلطی ہوئی ہے کہ وہ حالات اور کیفیات کو اصل مقصود سمجھ گئے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔ کہ مقصود بالذات یہی نماز، روزہ ہیں۔ کیفیات وغیرہ تو انہیں نماز، روزہ کی درستی کیلئے ہیں۔

اعمال اور کیفیات کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک ہوتی ہے غذا اور ایک ہوتی ہے دوا۔ مگر مقصود غذا ہوتی ہے۔ اور دوا صرف اس لئے ہوتی ہے کہ

حالت مرض میں چونکہ غذا جزو بدن نہیں ہوتی ہے اس لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے غذا کے جزو بدن ہونے کی قابلیت ہو جاوے۔ پس دوا مقصود نہیں ہوتی۔ سو جیسے اصل مقصود غذا ہے اور دوا محض معین ہے۔ اسی طرح یہاں اصل مقصود نماز روزہ ہے اور کیفیات بطور دوا کے ہیں کہ ان کو مجاہدات سے محض اس لئے حاصل کیا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے نماز روزہ کی قابلیت پیدا ہو جاوے۔ (ایضاً النیب ص ۲۰)

فرمایا جو چیزیں وہی ہیں ان کی ہوس نہ چاہئے جس کو جو ملا اس پر راضی رہنا چاہئے۔ البتہ امور اختیاریہ بلا واسطہ یا بواسطہ میں مثلاً نیک کام کرنا نجات و مغفرت نصیب ہونا اسکی تمنا و طلب ہونا چاہئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تمنا فرمائی تھی کہ میں مرد ہوتی تو خوب جہاد کرتی۔ آیت نازل ہوئی۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض۔ الآیہ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حق میں عورت ہونا مناسب تھا وہ عطا ہوا۔ اور ان کے حق میں یہی حکمت ہوگی۔ (مقالات حکمت حصہ دوم ملفوظ نمبر ۱۰، شرف العلوم ۶۳)

فرمایا کہ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب ”فرمایا کرتے تھے کہ طلب مطلوب ہے نہ کہ وصول کیونکہ مطلوب وہ چیز ہو سکتی ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔ اور طلب اختیار عبد میں ہے اور وصول اس کے اختیار سے خارج ہے۔ البتہ اس معنی کو مطلوب یہ ہے کہ وہ طلب صادق پر لزوماً مرتب ہے۔ مقصود استاد علیہ الرحمۃ کا یہ ہے کہ ثمرات پر ہر وقت نظر رکھنا مشوش وقت ہے۔ یہ اس کا علاج ہے۔

(ایضاً ملفوظ نمبر ۶۳)

فرمایا کہ احضار قلب بندے کے اختیار میں ہے۔ اگر کوشش کرے احضار ممکن ہے۔ لیکن اس کیفیت کا جلدی راح کر لینا اختیار عبد سے خارج ہے کہ جب چاہے رسوخ ہو جائے۔ لہذا اگر دیر ہو تو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ (ایضاً ملفوظ نمبر ۷۷)

فرمایا کہ احوال کے مقابلہ میں مقامات ہیں (والمقامات مکاسب

والاحوال مواہب) اور وہ مطلوب ہیں۔ اور مقامات اصطلاح صوفیہ میں اعمال تکلیفیہ متعلقہ بالقلب کو کہتے ہیں۔ گویا جن امور باندہ کا حکم قرآن و حدیث میں ہوا ہے۔ جس کو علم الحاصل کہتے ہیں وہی صوفیہ کی اصطلاح میں مقام ہے اور موجب قرب ہے اور قائل توجہ والتفات ہے۔ جس طرح اعمال ظاہرہ بھی۔

(ایضاً محفوظ نمبر ۸۴)

باطنی احوال و مقامات تک کے لئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں۔ جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے۔ جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب ہوتے ہیں ان کیلئے بھی حدود ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو۔ کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارہ میں لوگوں کا عام خیال یہ ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہوا اچھی بات ہے۔ ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے۔ مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے۔ اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں۔ اصل مطلوب رضائے الہی ہے۔ جس کا ہر درجہ مطلوب ہے۔

(حرمت الحدود ص ۵۷، اشرف العلوم ص ۶۵)

فرمایا کہ کیفیات دو قسم کے ہیں۔ ایک کیفیات روحانیہ دوسری کیفیات نفسانیہ کیفیات روحانیہ مشاہدہ اور غلبہ ذکر ہے۔ جس کے آثار میں بے سموت اطاعت اور شوق فرماں برداری ہے اور اس پر رضائے باری موعود ہے۔ کیفیات نفسانیہ احوال کہلاتے ہیں مثلاً شدت شوق ہیجان وارتگی۔ یہ امور مطلوب نہیں ہیں۔ اسی لئے کملاء کبھی ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ بلکہ کبھی کبھی احوال سے ضرر بھی ہوتا ہے۔ اسلئے کہ مثلاً جو شخص شدت شوق میں مبتلا ہے۔ ان حالات میں سے ایک حالت اسکو ضرور پیش آئےگی۔ یا تو لقاء نصیب نہ ہونے سے مایوسی یا

غلبہ و ہیجان سے مرض و ہلاک یا اغوائے شیطان سے عجب و کبر اور یا غایت ادلال سے گستاخی یہ سب حالتیں مذموم اور مبعذ عن الحق ہیں۔ پس اس سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ احوال قلیل التفات و توجہ نہیں۔ ہاں مواہب الہی ہیں کہ حاصل ہو جائیں تو اس کا فضل ہے۔ نہ حاصل ہوں تو نجات و قرب الہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ اور اس کی تائید کہ احوال بذاہما مطلوب نہیں اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ کہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ اسئلک شوقا الی لقائک فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة۔

پس اگر احوال مطلقاً مطلوب ہوتے اور ان میں ضرر اور فتنہ نہ ہوتا تو حضور ﷺ طلب شوق کے ساتھ کہ حال ہے یہ قید نہ لگاتے۔ خلاصہ حدیث کا یہ ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے لقاء کے شوق کا طالب ہوں۔ لیکن اتنا شوق نہ ہو کہ اس سے کسی ضرر (جیسے غلبہ شوق سے امراض وغیرہ کا لاحق ہو جانا) یا کسی فتنہ میں ابتلاء (جیسے بیباکی کا پیدا ہونا اور شریعت و صاحب کمال شریعت کا ادب ملحوظ نہ رہنا) ہو۔ (مقالات حکمت حصہ دوم ملحوظ نمبر ۹۴)

وجود اخلاق رزیلہ مذموم نہیں ہے۔ ہاں عمل بمقتضی الاخلاق الرزیلہ مذموم و منہی عنہ ہے۔ مثلاً وجود غصے کا مذموم نہیں۔ لیکن اس کو بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔ مجاہدے سے پہلے بے موقع غصہ چلاتا تھا اب موقع پر چلاتا ہے نہ یہ کہ بے موقع کبھی آتا بھی نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا أَلَا وَسْعَهَا﴾ تو اخلاق رزیلہ کے ازالہ پر قدرت نہیں ہاں ان کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے۔ اس لئے صرف اس کی تکلیف دی گئی ہے۔ جب یہ بات ہے تو ان اخلاق رزیلہ کے ابھرنے اور ان سے متاثر ہو جانے سے غمگین اور ناامید ہو جانا محض بے وجہ ہے۔ (احاطت الاحکام ص ۵۲)

اکثر لوگ اخلاق رزیلہ کو زائل کرتے ہیں اور پھر اخلاق محمودہ پیدا کرتے

ہیں۔ ہمارے حضرت ”فرماتے تھے۔ کہ ازالہ بالکلیہ نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب اس خلق کی ضرورت ہوگی تو کیا کرے گا۔ (مثلاً شہوت) بلکہ تعدیل چاہئے۔

(مقالات حکمت حصہ ہفتم نمبر ۴۴)

صفات ذمہ اپنے محل و مصرف پر ہوں تو بری نہیں۔ اور اگر بے محل ہوں تو بری ہیں۔ مثلاً بخل اگر کسی اچھی جگہ کیا جاوے تو برا ہے اور اگر کسی بری جگہ پر کیا جاوے تو برا نہیں۔ (مقالات حکمت حصہ ہفتم ملفوظ نمبر ۴۴، اشرف العلوم ص ۶۶ رجب الثانی ۱۳۵۲ھ)

رذائل کا ازالہ نہ کرو۔ صرف امالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے۔ مگر اضمحلال کیلئے اس کی مشق ضروری ہے۔ اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہ ہو۔ الحائک اذ اصلی یوماً انتظر الوحی کہ دو دن مخالفت کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار کی خاصیت ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائیگا۔ بعض حکماء اس نکتہ کو نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ عادات نہیں بدلا کر تیس اس لئے مجاہدہ فضول ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھے کہ عادت بخلاف عادت ہو جانے سے پہلی عادات ایسی کمزور ہو جاتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشائخ طریق کا یہاں رات دن ایسی نظر مشاہدہ میں آتی ہیں۔ کہ مجاہدات و کثرت مخالفت سے اخلاق رذیلہ گو معدوم نہیں مگر کالعدم ضرور ہو جاتی ہیں۔ اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے نامکمل قصد و اختیار سے۔

فرمایا بعد تکمیل کسی کو مقام رجاء مل جاتا ہے کسی کو خوف، کسی کو اور کچھ اور قلب میں نسبت کا رسوخ ہو جاتا ہے۔ یہ مقامات ہیں (مقام کے معنی میں یہ ایک دوسری اصطلاح ہے۔ یعنی راسخ مقام ہے اور غیر راسخ حال اور ایک اصطلاح ہے مشہور کہ مقام مکتسب ہے۔ اور حال مہبوب) اور احوال دوران تکمیل میں پیش آتے رہتے ہیں۔ کوئی حال ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس سے بعض کا انتقال

ہو گیا۔ (مقالات حکمت حصہ اول ملفوظ نمبر ۶۸)

فرمایا کہ ایک سیرالی اللہ ہے۔ اور ایک سیر فی اللہ ہے۔ سیرالی اللہ یہ ہے کہ اخلاق کی تمذیب اور رسوخ فی الذکر پیدا کیا جاوے۔ اور یہی مرتبہ ہے جس کے انتہا پر سلوک متعارف ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ صفات و افعال الہیہ اور معاملات فی مابین العبد والرب کی خصوصیات کے انکشاف میں روز بروز ترقی ہو اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔
(اشرف العلوم ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ص ۷۵)

نہ حسنش غایتی وارد نہ سعدی راخن پایاں

بمیرد تشنه مستقی و دریا پھنساں باقی

اور اس آیت شریفہ میں ان دونوں مرتبوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔
انی ذاہب الی ربی سیہدین ۵ کیونکہ ذاہب الی الرب سیر الی اللہ ہے اور اس پر جو ہدایت کو متفرع فرمایا ہے۔ یہ کوئی چیز اس کے بعد کی ہے اور اس کے بعد سیر فی اللہ ہوتی ہے۔ (مقالات حکمت حصہ دوم ملفوظ نمبر ۷۹)

کشف اختیاری نہیں ہوتا۔ وہ بالکل خارج از اختیار ہے۔ دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی۔ اگر کشف امر اختیاری تھا تو کیوں حضرت یعقوب علیہ السلام مطلع نہیں ہوئے اور جب خبر ہوئی تو اس طرح کہ مبشر کرتے لیکر چلا تو آپ نے فرمایا۔ انی لاجد ریح یوسف ترجمہ: میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ (مضار المعصیت ص ۱۲)

محبت کا مفہوم اور اقسام

محبت نام ہے میلان قلبی کا اس کے مراتب کثیرہ ہیں۔ یہ بھی ایک مرتبہ ہے۔ کہ نام سن کر بے تاب ہو جائے۔ ادنیٰ مرتبہ یہ ہے۔ کہ اللہ کی طرف دل کھینچنے لگے۔ اور جیسے مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح قسمیں بھی مختلف ہیں۔ ایک

عقلی دوسری طبعی اور جس محبت کے حاصل کرنے کا حکم ہے وہ محبت عقلی ہے۔ اسی لئے اطیعو اللہ فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ اطیعو اللہ طبعاً اب میدان وسیع ہو گیا۔ کم از کم یہی سمجھ کر اطاعت کرو کہ اللہ ہم سے خوش ہو گا مگر اس پر بس نہ کرو آگے بڑھتے رہو۔ یہاں تک کہ اطاعت میں لطف آنے لگے۔ اور پھر اس کے بغیر چین نہ پڑے۔ نہ بچھنے سمجھانے کی ضرورت رہے۔

اے برادر بے نہایت درگہست ہرچہ بروئے میری بردے بایست
(حق الامانات ص ۲۰ شرف العلوم ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ص ۷۸)
کیفیات کا مدار یکسوئی پر ہے۔ اور یکسوئی کم عقلوں کی زیادہ ہو جاتی ہے
عاقلوں کو خاص کر صاحب ذکاوت مغرطہ کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کا
دماغ ہر وقت حرکت فکریہ میں رہتا ہے۔ (تواصی بالصبر ص ۲۲)

نفس جو تقویٰ کی طرف مائل اور معصیت سے نفور نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ
ہے کہ تقویٰ کی لذت اور معصیت کی کدورت سے واقف نہیں۔ اس کو یہ خبر ہی
نہیں کہ تقویٰ کے اندر کیا لذت اور نور ہے اور معصیت کے اندر کیا کدورت اور
ظلمت ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چونکہ ہمیشہ معصیت ہی میں رہا ہے۔ اس لئے
نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں۔ اور جبکہ نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں تو باقاعدہ
الاشیاء تبیین بضدھا۔ معصیت کی ظلمت کا بھی احساس نہیں۔ پس ضرورت
اس کی ہے کہ اس کو اس نور اور ظلمت یا یوں کہو کہ اس لذت اور کدورت سے
واقف بنایا جائے۔ جب اس کو تقویٰ کی لذت حاصل ہوگی۔ تو معصیت میں
کدورت محسوس ہوگی پس لا محالہ تقویٰ کی حرص اور معصیت سے نفرت پیدا
ہوگی۔ (الصیام نمبر ۱۸۴)

فرمایا کہ عبادت کو اپنا عمل نہ سمجھے بلکہ محض توفیق حق سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ
سے کام لے رہے ہیں میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ اخفاء کا اہتمام نہ کرے گا۔

کیونکہ وہ مخلوق کو لاشے محض سمجھتا ہے تو ان سے اخفایوں کرے گا۔ اور جب اپنے عمل کو اپنا عمل ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ فضل حق سمجھتا ہے تو کسی کے دیکھنے سے اس پر عجب کا اثر کیوں ہو گا۔ لیکن اس شعبہ کا ریاء ہونا پہلے شعبہ کے برابر نہیں۔ پہلی صورت تو مطلق ریاء ہے۔ اور دوسری صورت یعنی اخفاء اعمال کبھی ریاء ہے اور کبھی ریاء نہیں۔ مثلاً جس شخص کیلئے شیخ نے اخفاء عمل کو تجویز کر دیا ہو اس کیلئے اخفاء عمل ریاء نہیں۔ یا یہ شخص خود مجتہد ہو اور اس کے نزدیک اخفاء عمل کی ضرورت ہو اس کیلئے اخفاء عمل ریاء نہیں۔ مگر مجتہد وہ ہے جس کا مبصر ہونا کسی مبصر کے قول سے معلوم ہوا ہو ورنہ خود اپنے اعتقاد سے یا عوام کے معتقد ہو جانے سے کوئی مبصر نہیں ہو سکتا۔ صائب نے خوب کہا ہے

(اشرف المسائل ص ۱۹)

بنمائے بصاحب نظرے گو ہر خود را
عیسیٰ نتوان گشت بتصدیق خرے چند

(ارضاء الحق حصہ اول ص ۱۰۹)

فناء ارادہ سے مراد مطلق ارادہ کا فنا کرنا نہیں ہے بلکہ اس ارادہ کا فنا کرنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔ یعنی جو ارادہ حق کے خلاف اور تجویز حق کے مزاحم ہو۔ اور لا ارید کا ارادہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ تو یہ فناء ارادہ کے خلاف نہیں ہے۔ فناء کے منافی وہ ارادہ ہے جو بلا واسطہ ہو۔ اور جو ارادہ بواسطہ لا ارید کے ہو وہ فنا کے منافی نہیں۔ اور بعض عارفین نے ایک اور جواب دیا ہے کہ لا ارید میں راسخ ہونے کے بعد جو ارادہ ہوتا ہے وہ بندہ کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فناء ارادہ بالا اختیار کے بعد جو ارادہ بندہ کے قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ گویا بالا ضرر جانب حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ گو ظاہر میں اس کا ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ (ارضاء الحق حصہ اول ص ۱۴)

ذوق و مناسبت ایک حسن باطنی ہے۔ اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو نعمت

ہے لیکن کسی کو اگر حاصل نہ ہو تو کوئی نقص نہیں۔ کیونکہ قرب و رضائے حق کا مدار محبت عقلیہ پر ہے یعنی اطاعت احکام پر۔ ذوق پر اس کا مدار نہیں۔ اگر کسی کو ذوق باطن بالکل نہ ہو لیکن احکام کو پوری طرح بجالاتا ہو۔ وہ ناقص نہ ہو گا بلکہ کامل ہے۔ (ارضاء الحق حصہ دوم ص ۲۰)

ساکین کو سبق لینا چاہئے کہ وہ جو ذکر و شغل اور اطاعت و عبادت کرتے ہیں۔ اس میں خود عمل کو مقصود سمجھا کہ جس جو اختیار میں ہے۔ ثمرات کو مقصود نہ سمجھیں جو غیر اختیاری ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہونگے۔ اس کے سوا اور کچھ نیت نہ ہو۔ یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع و خضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جاویگا یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں۔ نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔ یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجہ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ مثانی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیاری فاعل مختار سے بدون کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں مگر نیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ محض عادت کی برکت ہے جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے۔ اس کیلئے اب بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی تکرار کی وجہ سے عادت ہو گئی ہے اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قرب ہے اور جس میں تکرار نہ ہو اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ غایت صحیح کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔ (النج البہر ص ۵ اشرف المسائل ص ۹۱)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہا کرتی۔ کیونکہ ریا کرتے کرتے پھر اس کام کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور جس کی عادت ہو جاتی ہے اس میں پھر کوئی خیال نہیں آیا کرتا۔ پھر وہ اخلاص سے قریب ہو جاتا ہے۔

اعمال اور احوال کا فرق

امور اختیار یہ قابل توجہ ہیں اور امور غیر اختیار یہ غیر قابل توجہ ہیں۔ اس کے بعد سمجھئے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ ایک اعمال یہ تو اختیاری ہیں جن میں بعض اعمال تو کرنے کے ہیں اور بعض نہ بننے کے ہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج وغیرہ یہ اعمال تو کرنے کے ہیں اور غیبت نہ کرنا، تکبر نہ کرنا، کسی کا مال غصب نہ کرنا، قرض نہ مارنا یہ اعمال کف کے متعلق ہیں کیونکہ کسی عمل سے بچنا بھی عمل ہے۔ اعمال عدمیہ من حیث عدم تو عمل نہیں۔ لیکن من حیث الکف عمل ہیں دوسرے احوال ہیں۔ یہ غیر اختیاری ہیں۔ پس حاصل یہ ہوا کہ اعمال قابل توجہ ہیں اور احوال قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ اعمال سب اختیاری ہیں۔ خواہ ظاہر ہوں یا باطن یہ تعمیم اس لئے کی کہ بعض لوگ اعمال ظاہرہ کا تو اہتمام کرتے ہیں مثلاً نماز، روزہ کا۔ مگر اعمال باطنہ کا اہتمام نہیں کرتے۔ مثلاً اللہ سے محبت کرنا۔ حالانکہ شرعاً یہ بھی مثل نماز کے ضروری ہے۔ بدون محبت حق کے نماز بھی نماز نہیں۔ مگر لوگوں کو اس کا اہتمام نہیں۔ چنانچہ کبھی دل کو ٹٹول کر نہیں دیکھتے کہ اس میں اللہ کی محبت کتنی ہے۔ اور یہ بہت بڑی کوتاہی ہے۔ حدیث میں ہے (لا یكون احدکم مومنًا حتیٰ یكون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سو اہما) (ترجمہ: کوئی تم میں سے مومن نہ ہو گا جب تک اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب ماسوا سے یعنی اپنے نفس اور مال اور اہل و عیال سب سے زیادہ

محبوب نہ ہو جائیں) یہ ایسی حدیث ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ کسی نص کے معارض نہیں اور تاویل تعارض ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اب ہر شخص دیکھ لے کہ اس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت زیادہ ہے یا برادری اور اہل و عیال کی۔ (الفصل والافتصل ص ۴۰) (شرف المسائل ص ۹۲)

صاحب حال اور غیر صاحب حال میں تفاوت یہ ہے کہ غیر صاحب حال کو مثلاً رشوت سے نفرت تو ہوتی ہے مگر ایسی نہیں جیسی گوہ سے۔ اور صاحب حال کو گناہوں سے ایسی ہی نفرت ہوتی ہے جیسی نجاست ظاہرہ سے۔ اس لئے احوال کے محمود ہونے میں کلام نہیں مگر وہ مقصود نہیں ہیں کیونکہ غیر اختیاری ہیں۔ اسی لئے مقصود ان پر موقوف نہیں۔ مثلاً مقصود گناہوں سے بچنا ہے۔ تو یہ بدون حال کے بھی ہو سکتا ہے۔ گو بدون حال کے گناہوں سے ایسی نفرت نہ ہوگی۔ جیسی گوہ سے مگر ایسی نفرت تو ہو سکتی ہے جیسی سکھیا سے۔ سو گناہوں سے بچنے کیلئے اتنی نفرت بھی کافی ہے۔ (الفصل والافتصل ص ۸)

اعمال احوال سے مقدم ہیں۔ حصول احوال کا طریق ہی یہی ہے کہ اعمال میں لگ جاؤ۔ بدون اس کے احوال حاصل نہیں ہو سکتے۔ قاعدہ کی رو سے سلوک ہی جذب سے مقدم ہے اور وہب کا ذکر نہیں۔ مگر لوگ جذب کو مقدم کرنا چاہتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔ نصوص سے قاعدہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلوک جذب سے مقدم ہے۔ اور جذب سلوک پر مرتب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین﴾

ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعد میں انس کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں مثلاً بات بات پر رونا۔ اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ۔ مگر لوگ انہی آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور انس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہو جاتے ہیں۔ تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضائے

طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہو۔ نہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو جائے۔ (ثناء النفوس فی رضاء القہدوس ص ۱۰) (اشرف المسائل ۹۴)

تقویٰ کا مفہوم

عشق کی حقیقت تقویٰ ہے کہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ تشریعاً بھی اور ٹکنویاً بھی اور یہ ہر حال میں راضی رہے۔ یہ حقیقت ہے تقویٰ کی جس کی ابتداء شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دینے سے ہوتی ہے۔ اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ تقویٰ جب خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تو شیخ کے ہاتھ میں تقویٰ کرنا غیر اللہ کو اللہ کا حق دینا ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ تقویٰ اس تقویٰ مطلوب کا مقدمہ ہے اس لئے تقویٰ الی الشیخ الی غیر الحق نہیں ہے۔ (ثناء النفوس فی رضاء)

مطلوب سالک دو قسم کے ہیں بعض غیر اختیاری ہیں اور بعض اختیاری۔ اور غیر اختیاری کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو شرعاً بھی مطلوب ہیں اور ایک وہ جو شرعاً مطلوب نہیں۔ یہ کل تین قسمیں ہوں گی۔ پس ان میں سے امور اختیاریہ کا تو یہ حکم ہے کہ ان کو عمل کر کے حاصل کرو اور غیر اختیاری امور جو شرعاً غیر مطلوب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی طلب دل سے نکال دو ان کے درپے نہ ہو۔ اور جو غیر اختیاری شرعاً مطلوب ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ مثلاً احضار قلب نماز میں مامور بہ ہے اور یہ اختیاری ہے۔ اس کو تو عمل سے حاصل کرو۔ یاد رکھئے میں نے احضار قلب کہا ہے۔ اس سے حضور قلب نہ سمجھئے گا۔ وہ اختیاری نہیں اور نہ اس کا مکلف کیا گیا ہے۔ بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر رکھنے کی کوشش کرو۔ اس احضار قلب کی حقیقت ان لوگوں سے پوچھو جو عمل کرتے ہیں۔ ان سے نہ پوچھو جو ہر کام کو بدون عمل ہی کے دشوار کہہ دیتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ فرمائی کہ نماز فعل

مرکب ہے۔ جس کے مختلف اجزاء ہیں۔ قیام و قعود و رکوع و سجود اور قراءت و اذکار وغیرہ۔ پس احضار قلب یہ ہے کہ اس کے اعمال و اقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو۔ بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو۔ کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں۔ اب یہ لفظ کہہ رہا ہوں اور اب رکوع میں جاتا ہوں۔ اب سجدہ کر رہا ہوں۔ ہر ہر فعل اور ہر لفظ پر جدید ارادہ کرو۔ اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا کے اس ارشاد کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے۔

”من صلي ركعتين مقبلاً عليهما بقلبه“

اس میں ضمیر علیہما کا مرجع رکعتین یعنی صلوٰۃ ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے۔ اور وہ مرکب ہے۔ تو اس پر توجہ و اقبال وہی ہے جو مولانا نے بیان فرمایا۔ یہ تو امر اختیاری ہے۔ اس کو تو ہمت و عمل سے حاصل کرنا چاہئے۔ اور ایک ہے حضور قلب یہ اختیاری نہیں یعنی اس کا وہ درجہ اختیاری نہیں جس کی سا لکین کو طمع ہے۔ ورنہ جو درجہ حضور کا مطاوع احضار ہے وہ تو اختیاری ہے۔ اس حضور زائد کیلئے صرف دعا کرنا چاہئے۔ اس طرح ذوق و شوق وغیرہ بھی غیر اختیاری ہیں۔ ان کیلئے بھی دعا کرنا چاہئے۔ مجاہدہ وغیرہ اس کی تدبیر نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ان کیلئے صرف دعا آئی ہے۔

”اللهم اني اسئلك شوقاً الي لقاءك“

سو مجاہدہ وغیرہ حصول شوق کی غرض سے نہ کرو۔ نہ شیخ سے اس کے حصول کی تدبیر پوچھو۔ نہ اس سے یہ شکایت کرو کہ ہمارے اندر شوق پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے لئے محض دعا کرو۔ (نہ النفس فی رضا القدوس)

دل کی بات بتا دینا یہ علم غیب نہیں بلکہ کشف ہے۔ علم غیب اس کو کہتے ہیں جو بلا وسائط ہو اور یہ خاصہ الہی ہے۔ اور جو علم بذریعہ کشف ہو اس میں کشف واسطہ ہے اسلئے وہ علم غیب نہیں۔ (اشرف المسائل ۹۵)

ابن الوقت اور ابو الوقت کا مفہوم

ابن الوقت ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ دو معنی پر اس کا اطلاق آتا ہے ایک وہ سالک جو مغلوب الحال ہو یعنی جو حالت اس پر وارد ہو اس کے آثار میں مغلوب ہو جاوے اس کے مقابل ابو الوقت ہے۔ یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو جس کیفیت و حالت کو چاہے اپنے اوپر وارد کر لے۔ یعنی جس کیفیت کی طرف توجہ کرے اس کے آثار اس میں پیدا ہو جاویں مثل انس و شوق و فناء و وجد وغیرہ۔

فرمایا کہ طبیب سے یہ کہنا بھی بے موقع ہے کہ اگر مناسب سمجھیں خمیرہ گاؤ زبان تجویز کر دیں اس سے تو حال کہہ کر مخلی بالطح کر کے تدبیر پوچھنا چاہئے۔

کسی بی بی کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا ان کے عدم سکون پر یہ تحقیق بیان فرمائی کہ سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی، باطنی بھی، ظاہری تو معلوم ہے باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہے مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا۔ سکون، و جمعی اختیار میں نہیں اس لئے وہ مطلوب نہ ہوگا۔

فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع المخلوق بلا ضرورت سرا سر مضرت ہے۔ اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جاوے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق۔

یہ تجربہ ہے ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا ہم اور آپ سے زیادہ اہل حکمیں نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بلخیؒ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کے واقعات معلوم ہیں اور حضرت خلفا راشدینؓ پر اپنے کو

قیاس نہ کیا جاوے۔ کارپا کاں راقیاس از خود مگیر۔ (س ۲۰۲)

ایک مولوی صاحب مجاز نے یہ شکایت لکھی تھی کہ اب تک الارم کے بغیر تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی افسوس ہے کہ خارجی چیزوں کی اب تک حاجت باقی ہے اس پر جواب فرمایا کہ کن کن خارجی چیزوں کے احتیاج سے بچو گے۔ کھانے کی احتیاج ہے۔ لحاف، پھونے کی احتیاج ہے، صد ہا چیزوں کی احتیاج ہے جس طرح باطنی کیفیات حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں الارم وغیرہ خارجی چیزیں بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی نعمتیں ہیں۔ کام نکلنا چاہئے، چاہے خارجی نعمتوں سے نکلے خواہ باطنی نعمتوں سے پھر فرمایا کہ اس جواب سے انکی بالکل تسلی ہوگئی اگر اور جگہ پوچھا جاتا نہ جانے کیا کیا مجاہدے تجویز کر دیئے جاتے۔

ایک صاحب نے اپنے کرایہ داروں سے ترغیب نماز کے متعلق تشدد کیا ان سے کہا کہ اس مکان میں رہنے کی شرط یہ ہوگی کہ بلا عذر شرعی جماعت و مسجد کی پابندی میں فرق نہ آئے اور تخفیف کرایہ کی لالچ دلائی چاہی اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر آپ کی جگہ میں کم ہمت ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا یعنی اپنے نفس کو تو یہ سمجھاتا کہ ان پر سختی اور ان تدبیروں سے اثر ڈالنا مجھ پر واجب نہیں پھر کیوں تعب میں پڑوں۔ البتہ اتنا ضرور کرتا کہ ترغیب کے ساتھ ان کو جمع کر کے وعظ سنانا اور ان کی رعایتیں بلا کسی شرط اور بلا کسی ضابطہ کے کرتا۔ وہ مانوس و منبسط ہو کر خود بخود کام کرنے لگتے۔ اور جو اس پر بھی متاثر نہ ہوتے ان کے حال پر چھوڑ کر صرف دعا پر اکتفا کرتا۔

فرمایا کہ اسلم طریق یہی ہے کہ اپنے محاسن اور طاعت کو زبان پر کبھی لاوے ہی نہیں بس اس مثل پر عمل چاہئے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور بیعت ہونا چاہا مگر اخیر میں انہوں نے دو عیب نکالے۔ ایک یہ کہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں، دوسرے یہ کہ لطائف کی تعلیم نہیں کرتے۔ جو کپڑے کہ میں اس وقت پہن رہا ہوں ان کو بڑھیا کپڑوں میں شمار کیا تھا حالانکہ میرے پاس جو مکلف کپڑے آجاتے ہیں ان کو پہنتا تک نہیں۔ بس میں نے ان سے کہا کہ آپ تشریف لیجائے جہاں لنگوٹے بند ہوں وہاں جائیے۔ اور ایسے شخص کے پاس جائیے جہاں آپ سے پوچھ کر تعلیم کی جاوے۔ اگر میں لپ پوت کر اور مختلف تدابیر سے ان کو اپنی طرف متوجہ کرتا مرید کرتا جیسا آج کل شائع ہے تو کیا نتیجہ ہوتا۔ اسی لئے مصلحت یہ ہے کہ پیری مریدی چھوڑ دے ہاں تعلیم کر دے۔ ہم خدمت کرنے کو تیار ہیں مگر کسی کو لپٹتے نہیں۔

نہیم کا رہنا اچھا اور بد فہم کا نکل جانا ہی اچھا اور فرمایا کہ حضرت آج کل پیری مریدی محض دو کانداری و رسم پرستی ہو رہی ہے روغن قاذل کر کہیں طلب مال ہے اور کہیں طلب جاہ ہے اور کہیں اگر صدق بھی ہے تو تحقیق نہیں بعض جگہ اس کی کوشش ہے کہ امرا کو کھینچا جاوے حالانکہ خاک نشینوں کا مرید ہونا علامت ہے شیخ کے کامل ہونے کی اور دنیا دار امرا کا متوجہ ہونا علامت ہے خود شیخ کے دنیا دار ہونے کی کیونکہ الجنس یعیل الی الجنس یعنی جھبکتا وہی ہے جس میں مناسبت ہے۔

حکایت : کہیں قازا اور مور جارہے تھے لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہوا کہ دونوں غیر جنس پھر ساتھ کیسے۔ کسی نہیم نے کہا کہ بدوں اس کے ساتھ ہو نہیں سکتا کہ دونوں میں کوئی امر مشترک ضرور ہے۔ غور کر کے دیکھا تو دونوں لنگڑے تھے اور اگر اہل حق کے یہاں امر بھی آتے ہیں تو مٹ کر آتے ہیں لہذا وہ بھی غریبی رہے بڑا ہو کر چھوٹا ہو جاوے یہ ہے کمال۔ یہ باتیں ہیں سمجھنے کی۔ اس سے حضرت والا کی فراست، شان تربیت، استغنا صاف ظاہر ہے۔ اور رسم پرستی کی

مخالفت بھی۔ (مس ۲۲۲)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾

یعنی آپ کو خوشنما نہ معلوم ہوں ان کے اموال و اولاد کیونکہ اللہ تعالیٰ یوں چاہتا ہے کہ اولاد اور اموال سے انہیں دنیا ہی میں عذاب میں آخرت میں عذاب الگ ہوگا۔ دنیا ہی میں اولاد و اموال کو آلہ تعذب بنامیں۔ دنیا ہی میں عذاب ہو جاوے۔ حقیقت میں عذاب ہی ہے۔ بعضوں کو تو مال کی حفاظت کی فکر میں سونا نصیب نہیں ہوتا۔ (راحت القلوب ص ۲۰)

یہی اولاد کی کیفیت ہے اول تو مدتوں کی آرزوؤں کے بعد خدا خدا کر کے اولاد ہوئی پھر کوئی بچہ بیمار ہوا یہاں تک کہ مایوسی تک نوبت پہنچ گئی۔ اب پریشان ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگا۔ اگر یہ مر گیا تو میں کیونکر زندہ رہوں گا۔ ہائے کیا حال ہوگا۔ قبل از مرگ واویلا۔ مرنے کا اتنا غم بھی نہ ہوگا جیسی تکلیف اس سوچ میں ہے کہ ہائے اگر مر گیا تو کیا ہوگا۔ غرض کسی طرح چین نہیں بے چین ہیں پریشان ہیں۔ یہ مزا ہے اولاد کا اور اموال کا۔ فرمائیے یہ مصیبت ہے یا نہیں اسی کو فرماتے ہیں ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا ہی میں آلہ عذاب ہے جس کے پاس مال اور اولاد کی کثرت ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہر وقت ایک عذاب جان میں مبتلا ہے پھر بتلائیے ایسے شخص کی بابت کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ چین میں ہے۔ ہرگز نہیں۔ دنیا دار کوئی چین میں ہو ہی نہیں سکتا۔

حقیقت توکل

توکل کی دو قسمیں ہیں علماً و عملاً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی و مدبر حقیقی حق جل علی شانہ کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے۔ یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزء عقائد اسلامیہ ہے قسم دوم توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے۔ پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں۔ اسباب دینیہ و اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں۔ اگر لغتاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔ اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو۔ اس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام۔ اگر حرام ہو اس کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے۔ اور اگر حلال ہو اس کی تین قسمیں ہیں یقینی اور ظنی اور وہی اسباب وہیہ جن کو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں۔ جس کو طول اہل کہتے ہیں۔ ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض و واجب ہے اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادتاً ضرور مرتب ہو جاوے جیسے کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا۔ پانی کے بعد پیاس کم ہو جانا۔ اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغتاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل جائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہو جاوے مگر بارہا تخلف بھی ہو جاتا ہو۔ جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری و مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں توکل کہتے ہیں۔ اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کیلئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کیلئے جائز ہے بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کیلئے مستحب بلکہ اس سے بھی کسی قدر موکد ہے۔

خلاصہ توکل

پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علی تو مطلقاً اور عملی میں بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دنیوی موہوم فرض اور بمعنی ترک اسباب دینیہ و دنیویہ مباحہ یقیناً حرام و مذموم و بمعنی ترک اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب پس تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام اور ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں۔ (ایضاً ص ۷۲)

اس رعایت و شفقت کی قدر کی ہے صوفیا کرام نے کہ ترک اسباب کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسے غلاۃ فی الزہد کرتے ہیں۔ محققین کا مذہب یہی ہے کہ ایسا زاہد بے ادب ہے۔ کمال ان ہی حضرات کا ہے کہ انہوں نے زہد کو جمع کیا ہے اسباب کے ساتھ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ سنان جنگل میں بیٹھنا توکل میں جائز نہیں گھر ہی پر بیٹھو۔ اور دروازہ کھول کے بیٹھو۔ مگر دروازہ کو دیکھو مت اسی کی نسبت غیر عارفین نے تنگ ہو کے کہہ دیا ہے

(اشرف المسائل ص ۱۲۷)

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازی گوئی کہ دامن ترکمن ہوشیار باش

مگر یہ دشواری اس کو ہے جو تیرنا نہیں جانتا اور جو تیرنا جانتے ہیں اور ان کے دامن بھی اونچے ہیں وہ کھڑے ہو کر تیرتے ہیں اور دامن کو صاف پچا لیتے ہیں۔ کیونکہ محققین ہمیشہ جامع بین الاضداد ہوتے ہیں۔ اسی واسطے اسباب سے استعمال کا تعلق بھی رکھتے ہیں اور توجہ کا تعلق نہیں بھی رکھتے۔ (البداء ص ۷۲)

وہ حکیم عطائی ہے جو سب کو تارک بنا کر متوکل بنانا چاہے۔ توکل دیکھئے

حضرت صدیق اکبر ؓ نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے اور حضرت عمر ؓ نے اول اول نہیں لی۔ پھر بطور قرض لینے لگے مگر دونوں متوکل تھے۔ کیا حضرت صدیق اکبر ؓ پر کوئی شخص گمان کر سکتا ہے کہ وہ متوکل نہ تھے۔ نیز حضرات صحابہ ؓ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے جمع تھے اور یقیناً صحابہ ؓ سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہو سکتا۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ توکل کیلئے مال جمع نہ کرنا شرط ہے توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کر کے پھر ان پر نظر نہ کرے۔

(حرمت الہود ص ۲۸)

روزی کا مدار محض تدبیر پر نہیں ہے

اور درحقیقت اگر روزی صرف سعی و تدبیر پر ہی موقوف ہوتی تو اکثر آدمی حکمت و تدبیر سے غنا حاصل کر سکتے تھے۔ مگر غنا اور تمول دیکھا جاتا ہے کہ حکمت اور تدبیر اور سعی پر موقوف نہیں بلکہ بکثرت دیکھا گیا ہے کہ ایک معمولی آدمی جو دو آنے، تین آنے کی مختصر مزدوری کیا کرتا تھا چند سال میں وہ لکھ پتی ہو گیا۔ اگر غنا تدبیر اور سعی سے بلا تقدیر حاصل ہو سکتا ہے تو ہم ایک دو سرا آدمی منتخب کرتے ہیں جو قوت اور ہمت، رائے و تدبیر میں اس سے زیادہ اور مدت بھی اس کے لئے دونی تجویز کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنہ روزانہ ملے تھے ہم اس کو چار آنہ یومیہ دیتے ہیں اور اس پہلے شخص کا تمام کارنامہ اس کو دیئے دیتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس پہلے کے برابر یا اس کے قریب مضاعف مدت میں کما سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ترقی کے اسباب اور تدبیر بہت قومیں جانتی ہیں مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں کہ جن کی تدبیر اور سعی کے ساتھ تقدیر بھی مساعدت کرتی ہے ورنہ ان سے دگنی محنت کرتے ہیں اور افلاس نہیں جاتا۔ (الرفق ۱۸۰)

اصل یہ ہے کہ نہ تو نرے اسباب پر مدار ہے بلکہ تقدیر اور مشیت کی موافقت شرط ہے اور نہ یہ کہ کارخانہ اسباب بالکل معطل ہے کہ اس کو چھوڑ کر صرف دعاء سے ہی کام لیا جائے افراط اور تفریط دونوں کو چھوٹیں اس طرح سے کہ اسباب کو بھی اختیار کہیں کیونکہ اس میں بھی اظہار ہے عبدیت اور افتقار الی اللہ کا اور اسباب کے بھروسہ دعاء سے بھی غفلت نہ کی جائے۔ ہم میں بعضے جو متوکل ہوئے تو اس میں بھی غلو کرنے لگے ہیں۔ ہماری بھی وہی مثال ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفاکی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
اس غلو کی بدولت بعض اوقات توکل نام ہوتا ہے واقعہ میں قنطل و کم ہمتی کا

جو باز باش کہ صیدے کئی و قتمہ وہی
طفیل خوارہ مشوچوں کلاغ بے پروبال

تدبیر و اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں ہے

اس کی بعینہ مثال توکیل کی سی سمجھ لینا چاہئے مثلاً جب کوئی شخص کسی مقدمہ میں وکیل مقرر کرتا ہے تو کیا وکیل مقرر کرنے کے بعد یہ شخص خالی بیٹھ جاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جتنی کوشش اس سے ہو سکتی ہے خود بھی کرتا ہے اور اس کو خلاف توکیل نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وکیل کے کرنے کا جو کام ہے وہ کرے گا جو مجھ سے کچھ ہو سکتا ہے مجھ کو کرنا چاہئے اسی طرح تدبیر کرنا اعتدال کے ساتھ توکل کے خلاف نہیں۔

بلکہ تدبیر ایسی چیز ہے کہ جو امور محض غیر اختیاری ہیں جن میں تدبیر کو اصلاً دخل نہیں محض دعاء ہی پران کا مدار ہے سنن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی دعاء کے ساتھ کچھ صورت تدبیر اختیار کی جاتی ہے۔

چنانچہ ایک قصہ حدیث سے بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح توکل اور دعاء کو جمع فرمایا۔ ایک صحابی جن کا نام مقداد ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کے مکان پر مسافرانہ مقیم تھے اور ان کو حضور ﷺ نے بکریاں بتلادی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر کچھ خود اور رفقہ پی لیا کہیں اور کچھ ہمارے لئے رکھ دیا کہیں۔ اور ان کا اسی طرح معمول تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ کو آنے میں دیر ہوئی تو میں سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کی کہیں دعوت ہوگئی ہوگی یہ خیال کر کے آپ کا حصہ بھی پی گیا۔ مگر اتفاق سے جب پی چکا اس وقت خیال آیا کہ شاید آپ نے کچھ نہ کھایا ہو بے چینی کا یہ حال ہوا کہ کروٹیں بدلتا رہا نیند نہیں آتی اس شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔

عشاء کے بعد تشریف لائے اور حسب معمول سلام کر کے برتنوں کی طرف چلے اور وہ صحابی جو دودھ پی کر لیٹ گئے تھے یہ سب دیکھ رہے ہیں آپ کو اس میں دودھ نہ ملا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور طعام کی حاجت تھی آپ نے حسب معمول کچھ نقلیں پڑھیں اور یوں دعا فرمائی۔ اللھم اطعم من اطعمنی دیکھئے یہ امر قابل غور ہے کہ اس دعاء میں آپ نے توکل کے ساتھ اسباب کی کس لطیف طور پر رعایت فرمائی کہ یہ ظاہر کر دیا کہ کھانا اکثر اسی طرح ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے۔ ورنہ یہ بھی تو دعاء فرما سکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے ماندہ یا رزق بھیج مگر آنحضرت ﷺ نے توکل اور تدبیر کو کس لطیف طریق جمع فرمایا اس دعاء کے سننے کے بعد وہ صحابی اٹھے چونکہ ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء قبول ہوئی ہوگی اس لئے گو بکریوں کا دودھ وہ چکے تھے مگر پھر برتن لیکر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بکریوں نے اس قدر دودھ دیا کہ برتن بھر گیا۔ اس برتن کو لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا و توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت کس طور

پر فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ نہ دعاء کے بھروسے سے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔ اعتدال اصل طریقہ نبویہ ہے اور یہ بدون تحصیل تجر و علوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے۔ کوئی آسان کام نہیں جو ہر ایک دعویٰ کرنے لگے

بر کھسے جام شریعت در کھسے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں بافتن

آنحضرت کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے سے مت اتارنا پھر اس میں اگر آب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہو گئی۔ اس طرح حدیث میں اور بھی معجزات کے قصے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ خرق عادت میں تھوڑی سی رعایت اسباب کی گئی۔ مثلاً چولھے پر ہانڈی اور توے کا رکھا رہنا اور ڈھک دینا وغیرہ کی صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا۔ ورنہ ایسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا۔

اسباب کے اندر منہمک ہونا سبب ہے ترک دعا کا

یہ آداب ہیں توکل اور تدبیر کے سید المرسلین سے ان کو سیکھنا چاہئے ان سے غافل رہنا بعض اوقات سبب ہو جاتا ہے انہماک فی الاسباب کا۔ جو ایک سبب ہے ترک دعا کا۔ جس کا حاصل ہے اسباب میں انہماک اور مسبب الاسباب پر نظر نہ رکھنا اور عقیدت کی کمزوری۔

فیصلہ متعلقہ کسب و توکل

التکشف۔ تدبیر میں دو مرتبے ہیں ایک اس کا نافع ہونا دوسرا اس کا جائز ہونا۔ سونا فاعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں اور اس کے جواز میں یہ تفصیل ہے کہ ایمیں دو مرتبے ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعیین و منکرین قدر کے مستقل بالتأثیر سمجھا جاوے۔ سو یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے البتہ تأثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جہز موم ہے دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں۔ سواس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے۔ کیا ہے سواس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیاوی مباح ہے یا معصیت ہے۔ اگر معصیت ہے تو اس کے لئے اسباب کا اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور اگر وہ دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ امر دین واجب ہے یا مستحب، اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے اور اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر وہ دنیا ہے مباح ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیا ہے مباح ضروری ہے یا غیر ضروری اگر ضروری ہے تو اس کے اسباب کو دیکھنا چاہئے کہ ان پر اس مقصد کا ترتب یقینی ہے یا غیر یقینی اگر یقینی ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔ اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لئے اختیار اسباب واجب ہے اور اقویا کے لئے گو جائز ہے مگر ترک افضل ہے اور اگر وہ دنیا ہے مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک افضل ہے یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے۔

اخلاق حمیدہ کے بیان

امراض روحانی کا علاج

حال : امراض روحانی کی حالت امراض جسمانی سے بھی بدتر ہے امراض جسمانی کا اہتمام تو ہے امراض روحانی کے متعلق یہ بھی نہیں۔ اگر اسی حالت میں خاتمہ ہو گیا تو خسر الدنیا والاخرۃ مجھے آپ کی دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے جس وقت یاد آجاوے میرے لئے دعا فرمادیا کیجئے۔ جب میں اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو خوب روتا ہوں مگر کیا نتیجہ۔ ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھ لیتا ہوں اور بارہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ دو مختلف جلسوں میں عامیانہ طور پر پورا کر لیتا ہوں۔ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھتا ہوں مغرب کے بعد چار نفلیں زائد پڑھ لیتا ہوں۔ عشاء کے بعد چار نفلیں بہ نیت تہجد پڑھ لیتا ہوں۔ اس وقت کل یہ معمول ہے اطلاعاً معروض ہے۔

تحقیق : امراض روحانی کا ایک علاج جیسا اختیاری ہے اور اس میں اہتمام کی ضرورت ہے۔ دوسرا علاج غیر اختیاری بھی ہے یعنی سقم یا ہم یا غم اگرچہ طاعات غیر واجبہ میں کمایا طاعت واجبہ میں کینفا کچھ نقص یا خلل ہی واقع ہو جائے تب بھی باطنی نفع اس پر مرتب ہوتا ہے۔ اگرچہ کلفت کے غلبہ سے یا ادراک کی کمی سے اس وقت محسوس نہ ہو مگر ترتب تو اسی وقت اور احساس بعد میں ہوتا ہے۔ اب اس کا غم نہ کیجئے اور اگر ازالہ غم پر قدرت نہ ہو تو پھر یہ غم بھی علاج ہے۔ باقی دعائیں اس جزو کو بھی شامل کر دیا ہے۔ (النور صفحہ ۵۱۳) (ترتیب سالک باب دوم ص ۲۶)

صاحب تکوین ایک خاص منصب ہے

حال : ایک عرصہ سے یہ خیال بھی دل میں آرہا ہے کہ خدمت تکوین میرے سپرد ہوئی ہے پہلے تو اس کو معمولی خیال سمجھ کر ٹال دیا مگر جب آثار نظر آئے تو فکر ہوئی اور یہ خیال کیا کہ اگر عرصہ دراز تک یہی خیال دل میں رہا اور آثار بھی ممتد رہے تو حضرت سے عرض کرونگا ورنہ وسوسہ سمجھ کر ٹال دوں گا۔ اب عرصہ دراز ہو گیا ہے تقریباً چھ ماہ اور شروع اس وقت سے ہوا جبکہ خواب میں دو تین بزرگوں کو رسالہ ————— کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ حضرت شیخ ————— قدس سرہ تجھ سے بہت خوش ہیں اور تجھ کو ان کی جماعت میں داخل کر لیا گیا اور قیامت میں تو ان کے ساتھ ہوگا، اس خواب کے بعد یہ آثار شروع ہوئے کہ اول تو فلاں مقام کا صاحب خدمت مجذوب جب مجھے ملتا اہتمام سے سلام کرتا۔ دوسرے جب کوئی واقعہ مبہم بالشان تکوین کے متعلق ہوتا مجھے اسی کا فکر سوار ہو جاتا (پہلے یہ حالت نہ تھی) مثلاً فلاں معاملہ جب پیش ہوا تو مجھے فکر سوار ہو گیا اور بھگوان جتنی بار میری موجودگی میں وہ معاملہ معرض بحث میں آیا اہل معاملہ ناکام رہے اسی طرح مسلم نمائندے جن کو میرے دل نے چاہا وہ کامیاب ہوئے۔ فلاں عہدہ کا انتخاب میرے سامنے شروع ہوا جس کو میرے دل نے چاہا وہی کامیاب ہوا غرض اسی طرح بہت سے واقعات میں ظہور ہوا۔ جن کی تفصیل دشوار ہے اور بیکار۔

تحقیق : اس خیال کے قائم کرنے میں ذہن نے جلدی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آثار علامات خاصہ نہیں ہیں۔ تصرف فی التکوین کے اور نہ صاحب تکوین ہونا دلائل و علامات سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تعلق بالتکوین ایک خاص منصب ہے جس کو عطا ہوتا ہے اس کو اس کا علم ضروری غیر استدلالی دیا جاتا ہے نہ اس میں تدریج ہے نہ تدبیر و تفکر ہے اور یہ آثار مذکورہ فی السوال کبھی برکت کے نتائج بھی

ہوتے ہیں اور کبھی دعا کے کبھی کسی دوسرے شخص کی توجہ کے۔ جس کی اس خیال والے کو اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ صاحب تکوین کی شان تو حضرت خضر علیہ السلام یا ملائکہ کی سی ہوتی ہے۔ کہ وہ بلا تعثم یہ کہہ سکتا ہے وما فعلتہ عن امری غرض یہ آثار برکت پر بھی مرتب ہو جاتے ہیں اور صاحب تکوین صاحب حرکت ہوتا ہے اس لئے یہ خیال بے اصل ہے۔ (تہت سالک باب دوم ص ۵۰) (النور - زینتہ ۵۱۲ ۵۱۳)

مجاہدہ مطلقاً مخالفت نفس کا نام نہیں

حال : مجاہدہ کے متعلق ایک مضمون دل میں آتا رہتا ہے۔ اس کو عرض کر کے تشفی چاہتا ہوں وہ یہ کہ مجاہدہ نام ہے مخالفت نفس کا۔

تحقیق : مطلقاً نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس مامور بہ نہ ہو ورنہ نفس مطمئنہ کو خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو بعض اوقات مامور بہ کی بھی رغبت ہوتی ہے حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں۔ جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ یقیناً وال ہے مرغوبیت صلوۃ پر اور ظاہر ہے کہ اس کا ترک مطلوب نہیں اور مامور بہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہو گا تو مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہو گا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے۔

اور نفس کے تقاضے مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں تو انواع مجاہدہ بھی مختلف ہوئے حتیٰ کہ بعض اوقات تبسم اور خنک بھی مجاہدہ ہے جیسا کہ حضور پر نور ﷺ کی شان کا دائم الفکرۃ متواصل الاحزان ولصدرہ ازیز کا زیز المرجل کے باوجود آپ کا تبسم اور مزاح فرمانا اعلیٰ ترین مجاہدہ نظر آتا ہے۔

تحقیق : یہ حکم موقوف اس پر ہے کہ آپ کے تبسم کو طبعی نہ کہا جاوے۔ یہی حکم غلط ہے بلکہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا ہو سکتا ہے جیسا غلبہ خشیت میں طبعی

جوع و عطش و نوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

حال : شبہ دل میں یہ آتا ہے کہ بعض اوقات بسط کی حالت میں علماء کو تقریر و تحریر یا مطالعہ و کتب بینی میں خوب دلجمعی ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکرین کو ذکر و نوافل میں بہت حظ حاصل ہوتا ہے تو اس وقت مجاہدہ کا مقضایہ ہونا چاہئے کہ اس عمل مرغوب کو ترک کر کے کسی عمل حسن غیر مرغوب میں اشتغال اختیار کیا جاوے تب ہی اصل مجاہدہ ہوگا ورنہ بوجہ غلط حظ نفس مجاہدہ ناقص ہوگا۔

تحقیق : یہ طاعات مامور بہ ہیں اس لئے ان کا ترک مجاہدہ نہ ہوگا کما ذکر اولاً۔ (ترتیب سالک باب دوم ص ۵۱، ۵۲)

حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں

حال : واپسی خدمت کے بعد بڑا انقلاب جس سے میں سخت گھبرا گیا ہوں یہ ہے کہ ذوق، شوق، جوش، رقت اور خشوع غائب ہو گیا۔ شروع میں تو تھا مگر اب تو بالکل نہیں ہے۔

تحقیق : کیا کوئی دینی ضرر ہو گیا۔

حال : اور طبیعت نہایت ساکن اور جامد ہو رہی ہے مجھے ذکر کرتے ہوئے بہت لطف آتا تھا۔ معلوم نہیں کہ اب کیوں نہیں آتا۔ سخت تردد ہے۔

تحقیق : کیا تردد پورا جر نہیں ملتا اور کیا ذوق، شوق سے بھی اجر ہی مقصود نہیں۔

حال : اگر حضور اجازت دیں اور مناسب سمجھیں تو جناب صاحب (یکے از مجازین) کو فرما دیں کہ وہ مجھے دو ایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرا دیں۔

تحقیق : اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر ہے۔ اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں سے تو اصل مقصود

منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے۔ آگے رہی موزونیت۔
اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔

حال : میرا خیال ہے کہ میرا قلبی لطیفہ اسم ذات اللہ کا ذکر ہے۔ کسی زمانہ میں
حضور سے اس کی اجازت لے کر لطائف ستہ کی کوشش کیا کرتا تھا۔

تحقیق : حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔

حال : حضور سے دور ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ازکار صحیح طریقہ سے کیونکر
کروں۔

تحقیق : یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق
صحیح ہے۔

حال : اور ان کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں۔

تحقیق : ثمرات کی روح اجرو قرب ہے۔ *

حال : میں تو پھر اپنے اسی جوش و ولولہ اور سوزش کا متمنی ہوں اور پھر وہی
خشوع اور رقت چاہتا ہوں۔

تحقیق : کیا ملے گا مذہب عبد کا یہ ہے اور ہونا چاہئے آنچہ ساقی ماریخت عین
لطف است۔ (تہیت السالك باب دوم ص ۵۲) (النور رمضان ۵۲ ۱۲۷۰)

محبت کے آثار مختلف ہوتے ہیں

حال : حضرت مخدوم و محترم ادام اللہ فیوضکم السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
خود قلم مبارک کے نامہ والا نے دست^۱ والا کی خیریت سے تواطمینان بخشا لیکن

اپنے دل کی خیریت سے اور بدگمان کر دیا۔ تھانہ بھون سے لکھنؤ تک اہل محبت کے اس موقع پر پریشانی و بے قراری کا جو ظہور ہوا وہ محبت کا عین اقتضاء تھا جس پر مجھ کو بیدار شک آیا اور اپنے دل کی اس بے حسی پر نفوس کی - محبت کی راہ سے تو کوئی پریشانی واضطراب محسوس نہیں ہوا صرف عقیدت کی راہ سے یہ دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل سے طویل حیات عطا فرماوے اور اس کے افادات و برکات اپنے بندوں اور امت مرحومہ پر تادیر قائم رکھیں۔ الحمد للہ کہ حضرت سے عقیدت تو بہت غیر معمولی پاتا ہوں لیکن اپنے منعم و محسن سے کچھ نہ کچھ طبعی محبت ہو جانا بھی تو معمول انسانیت ہے۔ حضرت کے میرے دنیا اور دین دونوں پر کتنے احسانات ہیں اور پھر کتنی شفقت ہے اس کا خیال کرتا ہوں تو اپنی قساوت قلب کی شرم سے گڑا جاتا ہوں لیکن اتنی سنگدلی بھی بری بیماری ہے کہ مشکل ہی سے کبھی رونا آتا ہے اس لئے اس موقع پر شرم کو دور کر کے اپنے اس مرض کو ہی عرض کر دینے کا جی چاہا۔ الحمد للہ کہ رحم سے تو دل کو خالی نہیں پاتا۔ انسان کیا حیوان کی مصیبت پر بھی پسچ جاتا ہے اور اپنی ہمت بھر ہر طرح کی اعانت۔

مشائخ کو چاہئے کہ وہ غیبت نہ سنیں

جو لوگ مقتدا ہیں وہ اس کی زیادہ فکر کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کریں کی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع الخلق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے۔ سینکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لاتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص

آپ کو یوں کہتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا۔ لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ (الرفق حصہ اول ص ۹)

ذکر موت سے مقصود معاصی سے رکنا ہے

حال : پہلے ایک خط میں موت کے خوف کی وجہ سے بعض اوقات سخت پریشانی کا ذکر کیا تھا۔ اور حضرت والا نے اس کا علاج بتایا تھا الحمد للہ کہ اب وہ بات نہیں ہے وقتاً فوقتاً شدائد موت کا تصور ہوتا ہے لیکن پہلے جو پریشانی ہو جاتی تھی وہ نہیں ہوتی۔

تحقیق : تو ضرر کیا ہے پریشانی تو مقصود نہیں۔ بلکہ ذکر موت سے مقصود صرف کف عن المعاصی ہے۔ اگر اس کا ملکہ ہو جاوے تو پھر اس ذکر موت ہی کی ضرورت نہیں۔ (ترتیب السالک باب دوم ص ۱۸۲) (النور۔ ربیع الثانی ۵۹ ۱۳۰۱)

رضا بالقضاء کی حقیقت اور اسکے تحصیل کا طریقہ

حال : رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا جائے اور اس کا معیار اور مقدار بھی ارقام فرمایا جاوے کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کامکلف ہے اور اس کا شرعی مفہوم مصطلح کیا ہے۔

تحقیق : رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے۔ اور اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے۔ تدا بیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الہیہ کا واقعات خلاف طبع ہیں۔

(النور ص ۱۲۸)

یہ اعتقاد کہ میرے پاس کچھ عمل نہیں یہ بھی عمل ہے
حال : تقریباً ساٹھ سال کی میری عمر آگئی لیکن کوئی عمل بجز آپ کے تعلق کے
میرے پاس نہیں۔

تحقیق : یہ اعتقاد کہ میرے پاس کوئی عمل نہیں کیا تھوڑا عمل ہے۔

حال : اللہ تعالیٰ سے امید بخشش کی رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ غفور و رحیم ہیں
ستارا لعیوب ہیں۔

تحقیق : یہ دوسرا عمل ہے۔

حال : الحمد للہ آنحضرت کے کرم اور فیض و برکت سے میرا قلب روشن ہے۔
بھلائی اور برائی کی امتیاز ہو جاتی ہے۔ علم اور سمجھ تو ہے مگر عمل نہیں۔

تحقیق : علم اور سمجھ کا درجہ بعض وجوہ سے عمل سے بھی زیادہ ہے۔

حال : خدا را وہ طریقہ بتا دیجئے جو توفیق عمل ہو۔

تحقیق : قصد اور دعا۔ (النور عرم ۵۸) (ترتیب السالك باب چہارم ص ۲۲۲)

قبض کے بعض اسباب

سوال : میں جو ذکر تہجد اور فجر اور ظہر کے بعد کرتا تھا اب ایسی حالت ہو گئی ہے کہ
دل کو ذکر سے بالکل نفرت ہو گئی ایک دم بھی مشغول ہونے کو نہیں چاہتا بلکہ ہر
نیک فعل میں ایسا ہی ہو گیا اس کا علاج کیا ہے؟ اور کیا کروں ایسی حالت کو تخمیناً
ایک مہینہ ہوا خدا جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے میں اس ذکر و اذکار کے سبب
سے اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوا ہوں حضرت کی خدمت شریف سے اگر
اس ذکر ہی میں تھا۔ آج ایک برس ہوا اب تہجد کی نماز بھی چھوڑ دی ہے دل میں
ذوق و شوق ایک دم کو بھی نہیں کسی کام میں دل ذوق شوق سے رجوع نہیں

ہوتا۔

جواب : یہ حالت قبض کہلاتی ہے اس کے اسباب مختلف ہیں اور ہر ایک کی جدا تدبیر کیا آپ کے قلب میں کسی کا عشق تو نہیں ہو گیا یا کسی نا جنس دنیا پرست کی صحبت تو نہیں ہوئی اطلاع دیں۔ (ص ۵۴۲ 'تزیۃ حصہ دوم ص ۴۴)

حیض اعمال کا خوف علامت ایمان ہے

حال : صورت حال یہ ہے کہ جو احکام زبان مبارک سے حضور نے فرمائے تھے اب تک ان کو بجالاتا ہوں یعنی نماز پنجوقتہ اور تہجد شب کو مع بارہ تسبیح کے صبح کام کے بعد کو مناجات مقبول عربی پڑھ کر اپنے کام پر جاتا ہوں لیکن بندہ کو خوف ہے کہ یہ محنت بیکار جاوے تو سخت مشکل کا سامنا ہو۔

تحقیق : یہ خوف تو علامت ایمان کی ہے۔

سوال : لہذا مستعدی ہوں کہ برائے خدا بندہ کو ایسا اصول بتا دیا جائے کہ درجہ یقین تک پہنچ جائے۔

جواب : یہ یقین جائز ہی کب ہے کہ ہمارے اعمال سب مقبول ہوتے ہیں اور اس کے خلاف اعمال بالکل باطل ہے۔ (تزیۃ حصہ سوئم ص ۶)

دنیاوی پریشانی کا علاج

حال : خاکسار کی طبیعت ان دنوں زیادہ پریشان رہتی ہے اگرچہ یہ خاکسار دنیوی امور کے متعلق لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس خیال سے عرض کر دیا ہے کہ خاکسار کے خیال کے مطابق اس پریشانی کا اثر دین کے کاموں میں پڑ رہا ہے اسلئے عرض کرنا مناسب تصور کیا ورد و وظائف باقاعدہ نہیں ہوتے اور نہ بوقت تہجد باقاعدہ آنکھ کھلتی ہے اکثر اوقات دیر ہو جاتی ہے جس نے پریشانی کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔

تحقیق: پریشانی کی طرف التفات کرنا سبب زیادہ پریشانی کا ہوتا ہے جب پریشانی ہو بجائے اس کی طرف متوجہ ہونے کے حق تعالیٰ کی طرف یہ خیال کر کے متوجہ ہوں کہ وہ ان سب امور میں ہم کو کافی ہے اور اسی سے تعلق بڑھانا سبب بلیات کا دافع ہے۔ بس اس طریق سے آنا فانا اس پریشانی کا اثر گھٹتا جاویگا حتیٰ کہ بالکل نابود ہو جاوے گی کر کے دیکھئے اور آرام لیجئے۔ (ص ۵۲۲ 'ترتیبہ سوم ص ۷')

قلبی سوزش کا علاج

سوال: کیفیت یہ ہے کہ تھوڑے عرصہ سے قلب کو یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ سوزش کہوں یا آگ کہوں ہر وقت معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شے ریگ رہی ہے۔ اب تک میں نے یہ خیال کیا کہ کچھ مرض ہے۔ اسوقت یہ خیال ہوا کہ حضور کو اطلاع دوں کہ یہ کیا بات ہے میرے واسطے مضر ہے یا مفید ہے۔

جواب: یہ سوزش کبھی ذکر کے اثر سے بھی ہوتی ہے اور کبھی مرض سے اول طبیب سے رجوع کرنا چاہئے اگر وہ مرض سے اطمینان دلا دے تو پھر دستور العمل ذیل کا اختیار کرس۔

نمبر (۱) جہر اور ضرب کو چھوڑ دے۔ نمبر (۲) ذکر کے بعد ایک ہزار بار یا باسٹ پڑھیں۔ نمبر (۳) درود شریف گیارہ بار بعد ہر نماز کے پانی پر دم کر کے پیا کرس۔ نمبر (۴) حق تعالیٰ کی رحمت کے مضامین کا مطالعہ کرس۔ اگر کتاب کیسائے سعادت یا اس کے ترجمہ اکسیر ہدایت کا باب الرجاء یعنی اس کتاب کا مطالعہ کرس تو مناسب ہے۔ نمبر (۵) مفرحات و مقویات قلب کا استعمال رکھیں۔ اور بعد ایک ہفتہ کے پھر اطلاع دیں۔

حال: میرے مزاج کے اندر دو ایک بات جدید پیدا ہو گئی ہیں کہ ایک غصہ سے مرعوب ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ مجھ کو خود پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے۔ دیگر دل ایک

قسم کا جان طبیعت یکسو حالت پر نہیں رہتی ہے۔ میرے واسطے حضور دعاء فرمائے گا۔ کہ خداوند تعالیٰ اس مصیبت کو رفع کرے۔

تحقیق : غصہ کا علاج حق تعالیٰ کے غضب اور اپنے گناہوں کو یاد کرنا ہے جو اس کا علاج ذکر اللہ کی کثرت مع توجہ 'اس سے پریشانی جاتی رہے گی' دعاء بھی کرتا ہوں۔

حال : چند روز پہلے تو حرارت کا یہ حال تھا کہ بوقت ذکر یا صلوٰۃ قلب میں محسوس ہوتی تھی مگر اب ۲۴ گھنٹہ اناء اللیل والنہار یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلب کے سامنے مجسم روشن ہے مگر ابھی تک نہیں۔

تحقیق : شاید یہ بڑھ جاوے اس لئے حفظ ماقدم ضروری ہے ایک تو مختلف اوقات درود شریف کی کثرت رکھئے۔ دوسرے ۱۵ منٹ روزانہ جبکہ معدہ پر نہ ہو اپنے قلب پر چاند طلوع ہوا ہوا تصور کیا کیجئے۔ تیسرے کوئی تدبیر طبی حضرت حکیم صاحب سے دریافت کیجئے اور اطلاع دیجئے۔ (ص ۵۴۵، تریۃ حصہ پنجم ص ۲۱۳)

تحقیق فضیلت حب عقلی بر عشق

سوال : ایک بات قابل دریافت ہے وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم میں مولانا سلیل صاحب شہیدؒ نے حب ایمانی یا عقلی کو حب نفسانی یا عشق پر بہت کچھ ترجیح دی ہے اور طریق عشق کو ایک حد تک مذموم ثابت کیا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے صوفیہ کرام مولانا رومؒ "جائی" وغیرہ نے عشق کی مدح سرائی کی ہے اس بات میں حضرت کی جو تحقیقی رائے ہو اس سے مفصل مطلع فرمائیے۔

جواب : اول یہ مقدمات سمجھنا چاہئے۔ اول فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے ایک باعتبار ذات شے کے دوسری باعتبار کسی حالت خاصہ کے اول کو فضیلت ذاتیہ دوسری کو اضافیہ کہنا مناسب ہے۔ دونوں کمالات ولایت کے مستفاد ہوتے ہیں

کلمات نبوت سے اسلئے جو کمال ولایت کا جس قدر کمال نبوت کیساتھ مشابہ ہوگا دوسرے کمال سے جو مشابہت میں کم ہے افضل ہوگا۔ سوم عشق ایک خاص درجہ ہے محبت کا جس میں ہیجان و غلیان ہوتا ہے۔

ان مقدمات کے بعد جاننا چاہئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو صفت محبت الہی کی ہوتی ہے اس میں ہیجان نفسانی نہیں ہوتا اسلئے بالیقین یہی نوع محبت کی فی نفسہ افضل ہوگی مگر کسی خاص استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے تربیت باطن میں دوسری نوع کا نفع و وافق ہونا ممکن ہے جیسے کہ گوشت فی نفسہ افضل الاغذیہ ہے لیکن کسی خاص طبیعت کے اعتبار سے آتش جو کواصلع کما جاتا ہے پس مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ فضیلت ذاتیہ کے مرتبہ میں حب ایمانی کو ترجیح دے رہے ہیں اور بعض آثار مغلوبیت کے اعتبار سے حب نفسانی کو مضر بتلا رہے ہیں اور دوسرے حضرات صوفیہ رحمہم اللہ فضیلت اضافیہ کے مرتبہ میں عشق کی مدح کر رہے ہیں کیونکہ ایسے مضامین اکثر اہل حال کے کلام میں وارد ہیں جن کو تحقیقات عامہ مقصود نہیں یا مراد ان حضرات کی اصطلاحاً عشق سے مطلق کمال محبت ہو جو شامل ہے محبت ایمانی کو بھی اور مقصود مذمت کرنا ہو اس شخص کی جس میں یہ کمال نہیں ہے جیسے حدیث میں ہے لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ (الحدیث) پس دونوں توجہ پر مولانا اور صوفیہ کے کلام میں تعارض نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (ازالہ الخسف ص ۱ ص ۲۲۱)

معالجہ عشق مجازی

اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے کو کسی کام میں لگا دو جس میں کھپ جاؤ اگر دین کا کام نہ ہو تو دنیا ہی کا کوئی جائز کام کرو مگر کسی کام میں لگ جاؤ طیبوں نے بھی اس مرض کے متعلق لکھا ہے کہ یعرض للبطلین۔ پس خوب سمجھ لو کہ اگر مرد کو لذت کے لئے دیکھنا اور اس کی آواز کا لذت کے لئے سننا اور اس کے

تصور سے مزہ لینا یہ سب لواطت میں داخل ہے۔ اور باعد عن الحق ہے اللہم
احفظنا پس جو مصیبت آوے اس کو کسی گناہ کا ثمرہ سمجھا کرو۔ اور جب کسی کو گناہ
میں دیکھو تو اس سے عبرت حاصل کیا کرو۔ (الرفق ص ۸۳)

انسان کی مصیبت کا راز

دنیا میں ایسا تو کوئی انسان نہیں ہے جس کو کوئی حادثہ نہ پیش آئے اور کوئی
بات اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو انسان تحت القدرۃ ہے مستقل نہیں ہے اگرچہ
ہر امر میں انسان کی ایک مستقل تجویز بھی ضرور ہوتی ہے جسے اس کا ذہن اختراع
کر لیتا ہے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہر امر اس کی خواہش کے موافق نہیں ہوتا چنانچہ
ارشاد ہے کہ ام لا انسان مانتعنی یعنی انسان کو اس کی ہر تمنا نہیں ملتی تمنائیں
انسان کی بہت کچھ ہوتی ہیں مگر ملتی کم ہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے
اور وہی انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے اگرچہ اول نظر میں اس کی بہتری انسان کو
محسوس نہ ہو لیکن اس کے نتیجے پر اگر غور کیا جائے تو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی
ہے اور اول نظر میں چونکہ حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت
کہتے ہیں۔

مصیبت کی حقیقت

اگر حکمت اور مصلحت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت
نعمت ہے مگر مراد مصیبت غیر اختیاریہ ہے اور اسی میں گفتگو ہو رہی ہے برخلاف
ان کے جن کو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ انسان اس کو اپنے اختیار
سے کرتا ہے سو اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس کو گناہ اور
مصیبت قرار دیا گیا ہے اور اس سے روکا گیا ہے اور یہی فرق ہے درمیان فعل

عبدالرحمن فعل حق کے کہ کوئی فعل شر کا اللہ تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعل شروہی ہے جو بندہ اپنے اختیار سے خلاف رضائے حق کرتا ہے تو امور اختیار یہ عبد تو خیر و شر دونوں ہیں اور غیر اختیاری جو محض مناجات اللہ ہے وہ خیر محض ہے اس لئے عارفین نے اپنے متعلقین کو یہ تعلیم کی ہے اور اس سے انہیں ایک استواری پیدا ہوگئی ہے کہ جس سے وہ پریشان نہیں ہوتے

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیراوست
در صراط مستقیم اے دل کے گمراہ نیت

تو جو پیش آئے اس کو خیر سمجھے خواہ وہ بیماری ہو یا دشمن کا اپنے اوپر غالب آنا ہو یا فقر و فاقہ ہو یا اور کوئی مصیبت ہو غرضیکہ سب میں بہتری ہے مگر یہ بہتری ایسی ہے کہ جیسے دوا کی بہتری کہ شفیق ماں باپ تو جانتے ہیں کہ حلق سے اترتے ہی تریاق کا کام دیگی۔ لیکن بچہ نہیں سمجھتا بلکہ ماں باپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ انہوں نے ایسی دوا پلا دی یا جیسے دہل میں نشتر دینا کہ ماں باپ خوش ہیں مگر بچہ ان کو دشمن سمجھتا ہے نشتر زن ماں باپ سے انعام طلب کرتا ہے اور بچہ تعجب کرتا ہے لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ واقع میں یہ کام انعام کا ہے تو بچہ کے علم کو جو تفاوت ماں باپ کے علم سے ہے اس سے بہت زیادہ تفاوت بندہ اور خدا کے علم میں ہے تو خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ جس حادثہ کو بندہ مصیبت سمجھ رہا ہے اس میں کیا کیا حکمتیں مخفی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عسی ان تکرہوا اشیا وھو خیر لکم اس پر جس کی نظر ہوگی وہ ہرگز اس کو مصیبت نہ سمجھے گا جس طرح جراح نے نشتر لگا کر مصیبت میں نہیں پھنسا یا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو بندے کے ساتھ کرتے ہیں سب بہتر ہی ہوتا ہے مگر بندہ اس کی حکمت کو سمجھتا نہیں حالانکہ اگر ذرا غور کرے تو بعض حکمتیں معلوم بھی ہو سکتی ہیں۔

مصیبت کے فوائد اور خاصیتیں

مصیبت میں یہ خاصیت ہے کہ اخلاق درست ہو جاتے ہیں، انسان اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے، توبہ نصیب ہو جاتی ہے، تنبہ ہوتا ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے یہ ہوا تو یہ کھلے فائدے نظر آتے ہیں مگر بعض لوگ اس کو یاد نہیں رکھتے پس اسی معنی کر مصیبت نہ کہی جائیگی مگر ظاہر نظر میں وہ مصیبت ہے کیونکہ حقیقت لغویہ مصیبت کی یہ ہے کہ کوئی بات خلاف طبیعت پیش آوے اور چونکہ زندگی میں زیادہ واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں اس لئے کوئی بھی مصیبت سے خالی نہیں ہے۔ کوئی مال کی طرف سے پریشان ہے، کوئی صحت کی طرف سے پریشان ہے، کوئی اولاد کی طرف سے پریشان ہے۔ غرض ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مصیبت لاحق ہے۔ اگرچہ ہر ایک پر اثر الگ الگ ہوتا ہے اور ایک سرسری اثر ایسا بھی ہے کہ کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں اگرچہ برائے چندے ہی ہو اور وہ اثر تنبہ ہے اپنی بد عملی پر اور اپنے ضعف و عجز پر بڑا ظالم ہے وہ شخص کہ اس پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اس پر متنبہ نہ ہو بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ انسان ہی نہیں اور جو انسان ہو گا وہ ضرور اس طرح متاثر ہو گا۔ اور یہ تاثر بہت بڑی نعمت ہے۔

تکبر قبول حق سے بڑا مانع ہے

قبول حق اور رجوع عن الباطل سے بڑا سد راہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو سب سے بڑا سمجھے۔ اسی وجہ سے یہودی حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے اگرچہ جانتے تھے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں اللہ کے نبی ہیں بلکہ حضور کے تشریف لانے کے پیشتر ہی وہ حضور کو جانتے تھے حتیٰ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ہم تمہاری خبر لیگے جب وہ رسول تشریف لے آئیں گے۔ ﴿فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ﴾ لیکن جب آپ تشریف لائے۔ تو آپ کے اتباع میں

اپنے جاہ کا نقصان ہوتے دیکھ کر آپ کے ساتھ کفر کیا۔ سمجھے کہ آج تو ہم احبار کہلاتے ہیں مقتدا شمار ہوتے ہیں اگر ایمان لے آئیں گے تو چھوٹے ہو جائیں گے اسی طرح روماء مکہ یہ کہتے تھے ﴿لَوْ لَا انْزَلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَيَّ رَجُلٌ مِنَ الْقَرِيبِينَ عَظِيمٍ﴾ کہ اگر یہ کلام اللہ کا کلام ہوتا تو کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہیں ہوا ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا پھر یہ کہ آپ کے پاس تمول بھی نہ تھا اس لئے روماء کہتے تھے کہ کسی رئیس پر کیوں نازل نہ ہوا تو ان کو قبول حق سے یہی مانع تھا اور اس کی بڑی مذمت آئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رائی کے برابر بڑائی بھی جس کے قلب میں ہوگی وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور اس مرض سے بہت کم لوگ خالی ہیں کم و بیش سب میں ہوتا ہے اور اس نے شیطان کو جس نے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کی تھی ایک پل میں مردود بنا دیا اور اسی راز کی وجہ سے حکماء امت نے کہا ہے کہ صرف وظیفوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کسی کامل کی صحبت نہ ہو کہ وہ اس کے تکبر کا علاج کرے ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ محض کتابیں دیکھ کر کچھ کرتے ہیں ان کے اخلاق درست نہیں ہوتے غرضیکہ شیطان نے تکبر ہی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو مجبور نہ کیا اور اس کے سبب ملعون ہوا۔

کوئی ایسا مسلمان نہیں جس پر مصیبت کا اثر نہ ہو۔ لیکن فرق یہ ہے کہ بعض لوگ تو یاد رکھتے ہیں۔ اور اکثر بھول جاتے ہیں اور بھول جانے کے یہ معنی نہیں کہ ان کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے مگر برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے جس سے دو سرا ناواقف یہ اخذ کر سکتا ہے۔

اور اس مرض کے کئی درجے ہیں بعض کو تو مصیبت آنے وقت بھی پوری طرح شبہ نہیں ہوتا۔ سخت تعجب اس شخص پر ہے جو کہ مصیبت آنے پر یہ کہتا ہے کہ معلوم نہیں ہم سے کیا گناہ ہوا ہے جس کی پاداش بھگت رہے ہیں صاحبو کونسا وقت ہے کہ ہم اس میں گناہ نہیں کرتے ہم تو ہر وقت ہی گناہ میں

بتلا ہیں پھر اس سوال کے کیا معنی اور بعض کو دوسرے طرز کی غفلتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہم میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ کہ ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہم نے کچھ کیا ہے جس سے مصیبت آئی۔ دوسرے وہ کہ ان کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ کیا ہے مگر پھر بھی تدارک نہیں کرتے استغفار نہیں کرتے بلکہ بعضے تو اور زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں۔

حکایت : حضور ﷺ نے ایک کافر سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا کہ سات ہیں چھ زمین میں اور ایک آسمان میں۔ آپ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کونسا ہے؟ اس نے کہا کہ آسمان والا تو مشرکین عرب مصیبت کے وقت ایک خدا ہی کو پکارتے تھے۔ مگر ہندوستان میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں کو ہی پکارتے ہیں۔

تیسری قسم وہ ہے کہ گناہ کو یاد کر کے تدارک بھی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ ہی کی طرف رجوع بھی ہوتے ہیں لیکن وہ حالت ہوتی ہے کہ

اہل کاراں بوقت معزولی شبلی وقت و با یزید شوند
باز چوں می رسند بر سرکار شمر ذی الجوشن و یزید شوند

(الرقی ص ۸۷)

یعنی جب تک مصیبت رہی اللہ بھی یاد رہے رسول بھی یاد رہے اور جب مصیبت ٹلی تو ایسے آزاد کہ گویا اللہ تعالیٰ کی حدود حکومت ہی سے نکل گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ ﴿اذا مس الانسان الضر دعانا﴾ اور اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ ﴿كذلك زين للمسرفين ما كانوا يعملون﴾ یعنی وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ حدود سے باہر ہو گئے ہیں اور یہ خاصیت ہے کہ نیک عمل میں بصیرت ٹھیک رہتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو بینش جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ ان کو اعمال خوش معلوم ہوتے ہیں پس علت اس کی اسراف ہے کہ اس کی وجہ

سے بری باتیں مزین معلوم ہونے لگتی ہیں۔ صاحبو! آخر کس بات نے تم کو اس قدر بے فکر کر دیا ہے کہ جو تم کو کسی حادثہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتا حق تعالیٰ کو تو ہر جگہ ہر طرح کی قدرت ہے اس سے بچ کر آخر کہاں جاؤ گے پھر معاصی پر کس طرح دلیر ہو۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

حکایت : کہ ایک ملاح سے ایک شخص نے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے؟ اس نے کہا کہ دریا میں ڈوب کر کہنے لگا اور دادا۔ کہا کہ دریا میں کہنے لگا کہ پھر بھی تم دریا میں رہتے ہو ڈرتے نہیں ملاح نے کہا کہ تمہارے باپ کہاں مرے کہنے لگا کہ گھر میں پوچھا کہ دادا؟ کہنے لگا کہ گھر میں؟ ملاح نے کہا کہ پھر بھی تم گھر میں رہتے ہو ڈرتے نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی قدرت تو ہر جگہ موجود ہے اس کے قہر سے تو کسی جگہ اور کسی وقت مامون نہیں ہو سکتے تو جو شخص کہ اللہ سے ایک وقت میں ڈرے اور دوسرے وقت نہ ڈرے وہ کس قدر نادان ہے دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خاص اس مصیبت ہی کے وقت میں زیادہ خطرہ ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ اسی مصیبت میں مبتلا کر دیں اور اس طرح مسلط فرمائیں کہ وہ ہلاک ہی کر دے اسی کو فرماتے ہیں کہ ﴿ام امتنم ان یعید کم فیہ تارۃ اخری﴾ صاحبو! اپنے کو کسی وقت اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے نکلا ہوا مت سمجھو اور سب گناہوں کو ترک کر دو دیکھو گناہ میں مصیبت اس لئے آتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور یہ بات سارے گناہوں کو عام ہے۔ اگرچہ وہ کسی قسم کے گناہ ہوں تو جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور ہر قصہ ان کے قبضہ میں ہوا تو ممکن ہے کہ پھر کسی قصہ میں مبتلا کر دیں دیکھو اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا تو نمرود کو ایک مچھر سے پریشان کر دیا۔

حکایت : اہل سیر نے لکھا ہے کہ نمرود کی یہ حالت تھی کہ جب سر پر چوٹ لگتی

تھی تو چین آتا تھا۔ دیکھو کہاں نمرود اور کہاں چھتر مگر اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے اور بچائی والا سوائے اللہ کے اور کون ہے اور اگر وہ نہ بچا دے تو ادنیٰ ذرہ ہی پریشان کرنے کو کافی ہے۔

حکایت : ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کی ناک پر بار بار ایک مکھی اگر بیٹھتی تھی اس نے تنگ اگر کہا کہ معلوم نہیں مکھی کو کیوں پیدا کیا ہو گا وزیر نے کہا کہ اس واسطے پیدا کیا ہے کہ متکبرین کا تکبر ٹوٹے حاصل یہ ہے کہ ذرا سنبھل کر خدا تعالیٰ کی مخالفت کیا کرو تم میں تو ایک مکھی کی مقادمت کی تاب بھی نہیں بس اگر بچنے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

افلاطون کی ایک حکایت لکھی ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر آسمان قوس ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہوں تو بچ کر کہاں جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز سے قریب ہو جائے۔ کہ تیر دور والے پر چلاتے ہیں افلاطون نے کہا کہ بیشک آپ نبی ہیں کیونکہ یہ جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے ان لشکروں سے بچنا چاہو تو خدا کا قرب حاصل کرو اور فوراً توبہ کرو اور اس توبہ پر قائم رہو کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہونگے اور سب مصائب کو زائل فرما دیں گے۔ (الفتح ص ۸۸)

ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے

کیونکہ یہ کارخانہ ظاہری وابستہ ہے کارخانہ باطن کے ساتھ اول حکم وہاں سرزد ہوتا ہے پھر اس کے موافق یہاں ہوتا ہے۔

حکایت : شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ شر کا انتظام بہت ست تھا۔ ایک شخص نے شاہ صاحب سے وجہ پوچھی فرمایا کہ آج کل

یہاں کے صاحب خدمت ست ہیں پوچھا کہ کون ہیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک کنجڑہ بازار میں خربوزہ فروخت کر رہا ہے وہ آج کل صاحب خدمت ہے یہ اس کے امتحان کیلئے گئے۔ اور امتحان اس طرح کیا کہ خربوزہ کٹ کٹ اور چکھ چکھ سب ناپسند کر کے ٹوکرے میں رکھ دیئے وہ کچھ نہیں بولے چند روز کے بعد دیکھا کہ انتظام بالکل درست ہو گیا اسی شخص نے پھر پوچھا کہ آج کل کون ہیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک سقہ ہے چاندنی چوک میں پانی پلاتا ہے مگر ایک پیاس کی ایک چھدام لیتا ہے۔ یہ ایک چھدام لے گئے۔ اور ان سے پانی مانگا انہوں نے پانی دیا اس شخص نے پانی گرا دیا کہ اس میں تو تنکا ہے اور دو سرا کٹورہ مانگا انہوں نے پوچھا کہ اور چھدام ہے اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے ایک دھول رسید کیا اور کہا کہ خربوزہ والا سمجھا ہو گا۔ اس شخص نے اگر بیان کیا کہ یہ واقعہ ہوا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھ لو آجکل یہ ہیں کہ سب کو بچار رکھا ہے۔ تو سمجھ لو کہ ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے۔ پھر اس باطن کا ایک باطن ہے کہ وہ حکم حق ہے جس کے صدور میں طاعت و معصیت کو بھی دخل عظیم ہے۔ یعنی جب اللہ کو ناراض کرو گے تو اول محکمہ باطن میں حکم نازل ہو گا پھر اس کے تابع ظاہر ہو گا اور مصائب نازل ہوں گی۔ لہذا ان کی اصل تدبیر یہ ہے کہ اللہ کو راضی کر لو پھر کوئی مصیبت نہ آوے گی۔ (الرقی ص ۸۹)

مغیض فی اللہ

جو لوگ عاصی مومن ہیں۔ ان کو بھی ذلیل نہ سمجھو۔ البتہ اگر اللہ کیلئے ان پر ان کے سوء اعمال کے سبب غصہ کرو تو جائز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمدردی اور رحم ہونا بھی ضروری ہے نفسانی غیظ اور کبر نہ ہو۔ اور ان میں فرق کیلئے میں ایک موٹی سی مثال بیان کرتا ہوں جس کو میرے ایک دوست نے بہت پسند کیا اور ان ہی کی پسند سے مجھے بھی اس کی بہت قدر ہوئی یعنی معمولی قصوں

میں غصہ دو موقعوں پر آتا ہے۔ ایک تو اجنبی پر اور ایک اپنے بیٹے پر۔ سوا اجنبی سے تو اس کی شرارت پر نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے۔ اور اگر اپنا بیٹا وہی حرکت کرے تو اس سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ شفقت کیساتھ تاسف ہوتا ہے۔ اس کیلئے دعا کرتا ہے۔ دوسروں سے دعا کرتا ہے۔ اس کی حالت پر دل کڑھتا ہے اور غصہ جو ہوتا ہے تو اس کے ساتھ یہ شفقت ملی ہوتی ہے۔ پس اخوت اسلامیہ کا مقتضایہ ہے کہ اجنبی عاصی کے ساتھ بھی بیٹے کا سا برتاؤ رکھنا چاہئے۔ یعنی اگر کبھی اس پر غصہ آجائے اور خیال ہو کہ یہ غصہ خدا کیلئے ہے۔ اس میں نفس کی آمیزش نہیں۔ تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اگر میرا بیٹا اس حالت میں مبتلا ہوتا تو اس پر مجھے اس قسم کا غصہ آتا یا نہیں۔ اگر قلب سے نفی میں جواب آئے تو سمجھے کہ یہ غصہ خدا کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ ترفع کا غصہ ہے۔ اور یہ اس شخص کی معصیت سے بھی بڑھ کر معصیت ہے اور خوف کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر ایک گنہگار اپنے کو ذلیل سمجھتا ہے تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایک مطیع اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو وہ مقبور ہو جاتا ہے۔ سونہ تو اللہ پر ناز کرنا چاہئے۔ اور نہ نا امید ہونا چاہئے۔ غرض تحقیر تو کسی مسلمان کی کرے نہیں۔ لیکن غیظ و غضب جس کا منشا بغض فی اللہ اور رحم و ہمدردی ہو۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ بانی کبر و عجب تو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ (فضل العلم واصل ص ۲۲ اشرف المسائل ص ۱۱۳) (اشرف العلوم جمادی الاولیٰ ۱۲۵۱ھ)

بعض لوگ عوام کے اعتقاد سے مغرور ہو کر گناہوں سے
اور بھی بے فکر ہو جاتے ہیں

بعض ایسے بھی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے معتقد ہیں ایسے لوگ اور بھی زیادہ تباہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اپنے تقدس کی گویا دلیل بھی موجود ہوتی ہے کہ جب اتنے لوگ ہم کو اچھا کہتے ہیں تو یقیناً ہم اچھے ہوں گے۔

گناہ پر فوری مواخذہ نہ ہونے سے بے فکر نہ ہو

یہ کچھ ضروری نہیں کہ اگر گناہ آج کیا ہو تو آج ہی مواخذہ بھی ہو دیکھئے اگر کوئی شخص کچی مٹھائی کھالے تو عادتہ پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس روز کھایا ہے اسی روز نکلنے لگیں۔ فرعون نے چار سو برس تک خدائی کا دعویٰ کیا لیکن کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا اور پکڑا گیا تو اس طرح کہ ہلاک ہی کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر کام حکمت سے ہوتا ہے کبھی ہاتھ در ہاتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی مدت کے بعد گرفتاری ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا نیکیوں میں بھی کبھی ہاتھ در ہاتھ جزا دیدی جاتی ہے کبھی توقف ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی۔ اور وہ قبول بھی ہو گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ﴿فَدَّٰحِیَّتْ دَعْوَتِکُمْ﴾ لیکن باوجود دعا کے قبول ہو جانے کے اسی وقت اس پر اثر مرتب نہیں ہوا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعَانِ سَبِیْلَ الذِّیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ کہ تم دونوں ترتب اثر میں جلدی نہ کرنا کہ یہ نادانوں کا طریقہ ہے بلکہ استقامت اور استقلال سے کام لینا حتیٰ کہ چالیس برس تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتظار کیا اور اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک ہوئی ان دونوں واقعوں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ نہ کسی جرم پر فوراً اثر مرتب ہونا ضروری ہے نہ نیکی پر چنانچہ فرعون کو چار سو برس مہلت دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال تک منتظر رکھا گیا اور جب یہ ہے تو اگر کبھی جرم کی فوراً سزا نہ ملی تو اس کی نسبت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس جرم سے اللہ تعالیٰ ناخوش نہیں ہوئے یا یہ جرم قابل سزا و گرفت نہ تھا یا ہم کو معاف کر دیا گیا۔ (الرتب حصہ اول ص ۵۱)

لوگ اس غلطی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیشہ نئے گناہ کو دیکھا کرتے ہیں اور جب کوئی نیا گناہ نظر نہیں آتا

تو اپنی مصیبت پر تعجب کرتے ہیں اور گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کر کے یہ کہتے ہیں کہ کر تو ڈرنہ کر تو ڈر۔ صاحبو کسی مسلمان کے منہ سے اس جملہ کا نکلنا سخت حیرت ہے کیا کسی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی سلطنت اودھ کے نوابوں کی سلطنت ہے جس میں کوئی ضابطہ ہی نہیں جب جس طرح جی چاہا کر لیا۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا مقصود یہ ہے کہ دنیا کے خطرات کو تو یہاں تک مبہم بالشان بنایا کہ کچھ نہ کر کے یہی ڈرتے ہیں اور آخرت کے بارے میں اس قدر غفلت ایسی بے پروائی کہ آئے دن سینکڑوں خرافات میں مبتلا ہیں ہزاروں گناہ کے بار میں دبے جاتے ہیں لیکن ذرا بھی پرواہ نہیں کیا یہ مرض نہیں ہے اور اگر ہے تو کیا اس کی تدبیر ضروری نہیں ہے۔ صاحبو یہ یاد رہے کہ جس قدر اس کی جانب سے غفلت ہوگی تدبیر دشوار ہوتی جائے گی۔ اور صاحبو ہماری وہ حالت ہے کہ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

رفع اشکال بر حدیث و اجعلنی فی اعین الناس کبیرا

حال : حضرت مولانا مرشد ندامت برکاتکم السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
گزارش یہ ہے کہ

(اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا) یہ دعا مناجات مقبول میں ہے بوقت تلاوت (و فی اعین الناس کبیرا) کو خالی الذہن ہو کر پڑھتا تھا اور یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ حالت تو ایسی اہتر اور لوگوں کی نظر میں بڑا معلوم ہونے کی حضرت حق سے دعا کروں کل یہ خیال پیدا ہوا جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے تو اس میں مصالح و حکم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو یہ ہی دعا پسند ہوگی (اگر طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد اندس) دنیا میں بھی کوئی مالک شفیق یہ نہیں چاہتا کہ میرا غلام لوگوں کی نظر

میں ذلیل و خوار رہے اب یہ جی چاہتا ہے کہ اس دعا کو مع ملاحظہ معنی کے پڑھا کروں کیونکہ ایسی دعائیں نفس کو بھی لذت آتی ہے اور وہ لوگوں کی نظر میں بڑا بنتا چاہتا ہے اور کمترین میں ایسی استعداد نہیں کہ امتیاز کر سکے کہ یہ خطرہ رحمانی ہے یا نفسانی لہذا حضور والا میں عرض کرتا ہوں۔ حسب معمول پڑھا کروں یا معنی کا بھی تصور کیا کروں کمترین کا طبعی مذاق یہی ہے کہ گنہگار رہوں کوئی امتیازی حالت نہ ہو۔

تحقیق : نہایت مبارک مذاق ہے اور اس دعا کی حقیقت اس مذاق کے خلاف نہیں اور اس حقیقت کا سمجھنا موقوف ہے حکمت جاہ کے سمجھنے پر اور وہ یہ ہے کہ جاہ خود مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے دفع مفسدہ کا اور وہ مفسدہ ازیت خلق ہے اس کا دفع جاہ ہے کہ وہ مانع ہوتا ہے ظالموں کی دست درازی سے پس اصل مقصود یہ ہے کہ ازیت عوام و حکام سے محفوظ رہے تاکہ بلا تشویش مشغول طاعت رہ سکے پس اس معنی کے تصور سے دعا کرنا نہ خلاف مذاق ہو گا نہ نفس کو اس میں بڑے بننے کی لذت ہوگی۔

اجتماع تواضع و بغض فی اللہ

(بصائر ص ۲۵۱، ۲۵۲)

سوال : فتوح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تواضع کی حقیقت میں۔ ہو ان لا یلقی العبد احدا من الناس الا رای له الفضل علیہ اور آگے فرماتے ہیں خواہ جاہل ہو یا فاسق ہو یا کافر ہو کسی سے اپنے کو بہتر نہ سمجھے۔ سو اولاً تو یہ عرض ہے کہ بندہ نے جو اپنے آپ کو دیکھا تو میرے اندر بالکل یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ سو نہایت ادب کے ساتھ استدعا ہے کہ حضور بندہ کے واسطے دعاء فرمادیں اور کوئی آسان تدبیر ایسی تحریر فرمادیں جس سے یہ سولت یہ صفت حاصل ہو جاوے

اور کبر و عجب کا نام نہ رہے۔ ثانیاً یہ گزارش ہے کہ تواضع کا مقتضاء تو یہ ہے کہ ہر ایک کو بہتر سمجھا جاوے اور اس کے ساتھ نرمی کی جائے اور بغض فی اللہ کا مقتضایہ ہے کہ عاصی کو برا سمجھا جائے اور اس پر سختی اور خفگی کی جائے سو دونوں کیسے جمع ہوں۔

جواب : اچھا برا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گو اس وقت ظاہراً یہ شخص ہم سے کمتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو یا مال میں یہ ہم سے اچھا ہو۔ پس اس کا یہ اثر ہو گا کہ اپنے کو یقیناً افضل نہ سمجھے گا اور دفع کبر کیلئے اتنا کافی ہے اور اس طرح سے احتمال کسی کو اچھا سمجھنا مستلزم نرمی والفت کو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کا مال میں ہم سے اچھا ہونا محتمل ہو بالفعل اس کی کوئی ایسی حالت ہو کہ اس پر نظر کر کے شریعت سے ہم اس کو مبغوض رکھنے کے مامور ہوں تو ان دونوں میں کیا توفیق ہوئی اور اس احتمال کا انتہا محض عجب و کبر کو دفع کرے گا۔ (زیادہ حصہ ہفتم ص ۱۰)

بد نگاہی کے مرض میں بعض پیر بھی مبتلا ہیں اور
عورتوں کو پیر سے پردہ کر نیکی ضرورت

اور افسوس ہے کہ بعض پیر بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو بجائے باپ کے بلکہ باپ سے بھی زیادہ ہیں اور بے حیا بے محابا سامنے آتی ہیں اور بڑے بے حیا وہ دیوس مرد ہیں جو ایسے پیروں کے سامنے اپنی بیٹیوں ہوؤں کو آنے دیں۔ بعض جگہ تو ایسا سا گیا ہے کہ مریدیاں تنہا مکان میں جاتی ہیں اور وہاں مرید ہوتی ہیں نعوذ باللہ جناب رسول مقبول ﷺ سے زیادہ کون ہو گا حضور سے عورتیں پردہ کرتیں تھیں۔ ساری امت کی عورتیں آپ کی روحانی بیٹیاں اور حضور خود معصوم کسی قسم کے وسوسہ کا

بھی شائبہ نہیں لیکن باوجود اس کے پردہ کا حکم تھا اور ازواج مطہرات تمام امت کے مردوں، عورتوں کی مائیں تھیں چنانچہ ارشاد ہے واز واجه امہاتہم اور کسی کو ان کی نسبت توبہ توبہ وسوسہ تک بھی شرکانہ تھا لیکن باوجود اس کے ارشاد ہے۔ وقرن فی بیوتکن یعنی اپنے گھروں میں جمی رہو باہر نہ نکلو اور فرماتے ہیں ﴿ولا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض﴾ یعنی نرم بات مت کرو کہ جس کے قلب میں روگ ہے وہ طمع کرے گا۔ (الفتح حصہ دوم ص ۱۴۲)

عورتوں کے لئے اغیار کے ساتھ بد خلقی
(یعنی خشک مزاجی) صفت حمیدہ ہے

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جیسے مردوں کے لئے خوش اخلاقی صفت حمیدہ ہے عورتوں میں بد اخلاقی صفت حمیدہ ہے۔ یعنی غیر مردوں سے نرمی اور میٹھی میٹھی باتیں نہ کہیں اور نہ تند مزاجی سے بلکہ ایسے انداز سے بات کہیں کہ اس کو مضمون مفہوم ہو جائے اور کسی قسم کی طمع اس کے قلب میں نہ آوے نہایت خشکی و صفائی سے بات کہیں البتہ اپنے خاوند اور دوسری عورتوں کے ساتھ خوش اخلاقی برتیں۔ اللہ اکبر! یہ خاندان نبوت کا انتظام ہے آج کون ہے وہ شخص کہ ان سے زیادہ اپنے سے مقبول کے بلکہ یہ وقت چونکہ فتنہ کا ہے اس لئے نہایت سخت انتظام کی ضرورت ہے۔

پردہ کے متعلق عورتوں اور مردوں کی بے احتیاطیاں اور
زینت کے متعلق عورتوں کا بے محل برتاؤ

بعض عورتیں ایسی بے حیا ہوتی ہیں کہ وہ خود مردوں کو دیکھتی ہیں یا پردہ وغیرہ اٹھا دیتی ہیں کہ دوسرا مرد ان کو دیکھ لیتا ہے۔ اور یہ احتیاط نہیں کرتیں

حدیث میں لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ اس کے متعلق جو یوں عورتوں سے کہا جاتا ہے نصیحت کی جاتی ہے تو کتنی ہیں اٹھ ایک دفعہ دیکھ کر پھر کیا دیکھے گا ساری عمر ترسے گا۔ جو بڑی پردہ نشین کہلاتی ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ خاوند کے سامنے تو تمام زب و زینت ختم کر کے بھٹکن ہی بنی رہیں گی اور اگر کہیں جائیگی تو بیگم بن کر جائیگی سخت بے حیائی کی بات ہے کہ خاوند جس کے لئے زب و زینت کا حکم ہے اس کے سامنے تو زب و زینت نہ کی جائے اور دوسروں کے دیکھنے کے لئے کی جاوے چاہئے تو یہ کہ اس کا برعکس ہو بعض عورتیں دولہا، دولہن اور بارات کو دیکھتی ہیں ان کے مرد بھی کچھ نہیں کہتے اسی طرح دوسری بے احتیاطی قابل نظر ہے وہ یہ کہ بعض مرد بڑے بے احتیاط ہوتے ہیں کہ گھر میں پکار کر نہیں جاتے ذرا کھنکارا اور فوراً اندر گھس گئے اور اکثر عورتیں بھی ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی سے اترنے سے پہلے تحقیق نہیں کرتیں کہ کوئی مرد تو اندر نہیں ہے میں ایک دفعہ بیمار تھا بہت عورتیں ڈولی سے عیادت کے لئے آئیں بلا تحقیق اندر آگئیں میں نے ان کو خوب برا بھلا کہا اور جب عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اس وقت اور زیادہ بے حیائی ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات بے کسے اس گھر کے مرد دروازے میں اگر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اندر کسی نے منہ پھیر لیا کسی نے آنچل سے منہ ڈھک لیا کوئی کسی کے پیچھے ہو گئی اور طرفہ یہ کہ ہر ایک یہ جانتی ہے کہ مجھ کو نہیں دیکھا حالانکہ اس نے سب کو دیکھ لیا۔

(الفتح حصہ دوم ص ۱۴۶)

مرد چاہے کیسا ہی بزرگ 'در کتنا ہی بوڑھا ہو جاوے

عورتوں کو اس سے پردہ واجب ہے

ایک بزرگ تھے وہ اس میں احتیاط نہ کرتے تھے اس لئے کہ بوڑھے بہت تھے غیر اولی الاربہ میں داخل ہو گئے تھے اس لئے ان کو عورتوں سے زیادہ اجتناب

نہ تھا۔ ایک دوسرے بزرگ نے ان کو نصیحت کی انہوں نے نہ مانا ان بے احتیاط بزرگ نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا یہ مسئلہ پوچھا فرمایا کہ اگر مرد جبید ہو اور عورت رابعہ بصریہ ہو اور وہ دونوں ایک تنہا ہوں تو ثالث ان کا شیطان ہو گا اور آدمی خواہ کسی قدر بوڑھا ہو جاوے لیکن مادہ تو اس کے اندر باقی رہتا ہی ہے وہ فرشتہ تو ہے نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ نہ کر سکے لیکن نظر سے تو محفوظ نہیں رہ سکتا اور کیسے محفوظ رہ سکتا ہے مرد کے اندر تو عورت کی طرف میلان خلقة پیدا کیا ہے کوئی اس فطری جوش کو کیسے روک سکتا ہے۔

دو سروں کی حالت دیکھ کر عبرت حاصل کرنا چاہئے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ کہ امم سابقہ کے قصے اسی واسطے نقل کئے جاتے ہیں کہ لوگ عبرت پکڑیں اور عبرت کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی امر مشترک کی وجہ سے اپنے کو ان پر قیاس کس کہ فلاں شخص نے ایسا کیا تھا اس کو یہ نتیجہ ملا تو ہم کو بھی یہی نتیجہ ملے گا۔ یہ حقیقت ہے عبرت کی اب دیکھ لیجئے کہ دو سروں کی مصائب کے قصے سن کر کون شخص سبق حاصل کرتا ہے۔ اکثر لوگ مسلمانوں کی مصیبت کو سنتے ہیں مگر کانوں پر جوں بھی نہیں ریختی۔ اور فی صدی نواوے آدمی ایسے نکلیں گے کہ جن کو خاک بھی اثر نہیں ہوتا۔

چو از محنت دیگران بے غمی نہ شاید کہ نامت نمند آدمی

جب دو سروں کی تکلیف کو سن کر ہمارا دل نہ دکھا تو بے شک ہم اس قابل نہیں کہ آدمی کلامیں۔ (الرتیق حصہ اول ص ۷۸)

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے مع ایک مثال کے

بعضے توبہ کے بھروسے گناہ کرتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ گناہ کی جب عادت ہو جاتی ہے تو پھر توبہ بھی مشکل ہو جاتی ہے کیونکہ نئے گناہ سے جن کی ابھی لذت نہیں رچی توبہ کرنا آسان ہے اور عادت والے گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے جب چھوٹے گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جاتا ہے تو طبیعت برباد ہو جاتی ہے اور دل کھل جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ کبیرہ بھی ہونے لگتے ہیں۔ جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچایا جاتا ہے اور جب بہت چھینٹیں پڑ جاتی ہیں تو پھر دامن کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ کپڑا بالکل خراب ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جس گناہ کی طبیعت عادی ہو جاتی ہے وہ پرانا ہو جاتا ہے اور چھوٹا نہیں۔

مثلاً زمینداروں، کاشتکاروں وغیرہ میں یہ گناہ بمنزلہ عادت ہو گئے۔ غضب، ظلم، بیع باطل، جیسے آم اور پیر کی بیج متعارف اور یتیموں اور نابالغوں کے مال میں تصرف دیکھ لیجئے یہ گناہ کس طرح سب بے کھٹکے کرتے ہیں۔ اور خیال میں بھی نہیں لاتے۔ البتہ شراب نہیں پیئیں گے۔ تو یہ تفاوت اسی عادت ہو جانے سے اصرار و استخفاف بلکہ استحسان کی نیت آ جاتی ہے۔ اس لئے توبہ مشکل ہو جاتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو زبانی جیسے کسی نے کہا ہے

سجہ در کف توبہ بربل دل پراز ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

(الرقی ص ۲۲۲)

چنانچہ ان امور متذکرہ بالا سے توبہ تو کیسی اور اٹھے ان امور کے ترک کو

خلاف ریاست اور ذلت سمجھتے ہیں۔

اور گناہ سے دل برا نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایمان کی نشانی یہ ہے۔ اذا سرنتك حسنتك وساءتك سيئتك - غرض توبہ ان وجوہ سے مشکل ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بھروسے گناہ کرنا نہایت حماقت ہے مگر بعض نادان پھر بھی دھوکے میں ہیں اور توبہ کے توقع پر گناہوں پر دلیری کرتے ہیں۔

اس شخص کی ایسی مثال ہے کہ اس کے پاس مرہم اور اس کے بھروسے وہ اپنی انگلیاں آگ میں جلا لیتا ہو۔ کیا یہ شخص پورا احق نہیں ہوگا۔ کیا کسی عاقل نے کبھی ایسا کیا ہے۔ جب اس آگ پر دلیری نہیں کی جاسکتی۔ تو دوزخ کی آگ تو اس آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے۔ بلکہ مرہم تو پھر بھی من کل الوجوہ اختیاری ہے اور توبہ گو بظاہر اختیاری ہے مگر مرہم کی طرح من کل الوجوہ اختیاری نہیں کیونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے التوبہ ندم جس کو یوں بھی تعبیر کیا ہے وهو تحرق الحشا علی الخطا وتالم القلب علی الائم پس توبہ اس سوزش اور جلن کو کہتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ تالم مقولہ انفعال سے ہے اور وہ اختیار سے خارج ہے۔

معاصی خواہ کبائر ہوں یا صغائر سب ہی سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اصل حقیقت کے اعتبار سے ہر گناہ کبیرہ ہی ہے

ہر گناہ گو وہ صغیرہ ہو اپنی حقیقت کے اعتبار سے عظیم ہی ہے۔ کیونکہ حقیقت گناہ کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی اور ظاہر ہے نافرمانی کو کسی قسم کی ہو زیادہ ہی بری ہے اور گناہوں کے درجات میں جو چھوٹائی بڑائی کا تفاوت ہے وہ ایک امراضانی ہے کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا اس سے چھوٹا درجہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ بڑے ہی ہیں۔ کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہئے اس چھوٹے بڑے ہونیکے ایسی مثال ہے کہ جیسے آسمان دنیا عرش سے تو

چھوٹا ہے مگر درحقیقت کوئی چھوٹی چیز نہیں دوسری مثال ناپاکی اور پلیدی کی ہے کہ پلیدی چاہے تھوڑی ہو یا بہت مگر حقیقت تو دونوں کی پلیدی ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ جتنی کسی کی عظمت اور احسان ہوتا ہے اتنی ہی اس کی نافرمانی کرنا بری بات ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور احسان کے برابر نہ کسی کی عظمت نہ کسی کا احسان تو اس کی نافرمانی سب سے زیادہ بری ہوگی۔ پس وہ اپنی اس حقیقت اور مقتضی کے اعتبار سے عظیم ہی ہوگی۔ اور اس کا مقتضایہ تھا کہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جاتا۔ مگر پھر جو اس پر جرات کرتے ہو تو اس جرات کے چند اسباب ہیں۔ بعضے گناہ کو تو صغیرہ سمجھ کر ارتکاب کر لیا جاتا ہے حالانکہ اسی راز کی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ استخفاف گناہ کفر ہے گو چھوٹا ہی ہو۔ گناہ کی مثال تو آگ کی سی ہے ایک چنگاری بھی مکان جلانے کے لئے کافی ہے۔ اور بڑا انگارہ بھی بس صغیرہ چنگاری ہے اور بڑا انگارہ پس عمل کرنے کے لئے یہ پوچھنا کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ شبہ میں ڈالنا ہے۔ کہ اگر کبیرہ ہو گا تو بچیں گے اور اگر صغیرہ ہوا تو خیر ہم ایسے شخص سے اجازت لیتے ہیں کہ لاؤ تمہارے چھپر میں چھوٹی سی چنگاری رکھ دس اگر یہ ناگوار ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے گوارا ہے۔ وہ چنگاری گو چھوٹی ہو مگر پھیلنے پھیلنے انگارہ ہی ہو جائیگا۔ اسی طرح آدمی اول صغیرہ کرتا ہے اور وہ چھوٹا نہیں۔ اس اصرار سے وہ صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ مدت تک کرتے رہنے سے اس کو ہلکا ہی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور وہ اس جہت سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ (الرقی حصہ دوم ص ۲۲۱)

بری نظر اور بری نیت کا مرض آجکل عام ہو رہا ہے

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ ترجمہ آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں اور جس شے کو سینے چھپاتے ہیں اس کو بھی جانتے ہیں یہ ایک آیت ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہیں اور معانی

ہست ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک امرِ قبح پر مطلع فرمایا ہے اور علاوہ اطلاع کے اس میں زجر بھی ہے اس کو اس وقت اسلئے اختیار کیا ہے کہ جس مرض کا اس میں بیان ہے آج کل اس میں ہست ابتلاء ہے۔ (الرتق حصہ دوم ص ۱۲۸)

معصیت بھی مرض ہے

اور مرض سے یہاں مراد معصیت ہے گو لوگ اس کو مرض نہ سمجھیں کہ تعجب ہو گا کہ اس کو مرض کیوں کہا گیا۔ مرض کی حقیقت ہے اعتدال سے مزاج کا خارج ہو جانا اور معصیت میں بھی قلب کا مزاج اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔

معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا اور اس کا بیان کہ موت تمام تکلیفوں سے چھڑا دیتی ہے

بلکہ یہ خروج عن الاعتدال جو قلب کے متعلق ہے زیادہ مضر ہے اسلئے کہ بدنی مرض کا انجام ہست سے ہست یہ ہے کہ مر جاویگا اور مرنے سے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ہست سے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ جس قدر آلام ہیں وہ اس بدن اور روح ہی کے تعلق کی وجہ سے ہیں۔

بد نگاہی میں عام ابتلاء اور اس کا علاج

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے اور اس میں ہست ابتلاء ہو رہا ہے۔ اس کا بہت انتظام کرنا چاہئے اپنا بھی اور اپنے گھر والوں کا بھی اور اس کا علاج سہل یہ ہے کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلنا چاہئے ادھر ادھر نہ دیکھے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ شیطان جب مردود ہوا اس نے کہا تھا ﴿لَا قَعْدَن لَّہُمْ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾۔ ثُمَّ لَا تَنْہِمُہُمْ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ وَمِنْ خَلْفِہُمْ وَعَنْ اِیْمَانِہُمْ

وعن شمائلہم ﴿یعنی میں ان کے (گمراہ کرنے کے لئے) تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا پھر ان کے پاس آؤں گا ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے۔ چار سمتیں تو اس نے بتلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر نیچے کا ذکر اسلئے نہیں کیا کہ اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھ کر چلو یا نیچے دیکھ کر مگر اوپر دیکھنے میں ٹوکر جانے اور آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اسلئے نجات کے لئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھ کر چلیں۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا﴾ (الرحمن حصہ دوم ص ۱۴۷)

بد نگاہی پر کبھی دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے اللھم انی اعوذ بک من غضبک کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے۔ کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لئے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جاوے۔

حکایت : حضرت جنید چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی سامنے سے آرہا تھا ایک مرید نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالینگے۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظراستحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا۔ چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ قرآن بھول گیا۔ (نعوذ باللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی دلیل اور سہارا بد نگاہی کے متعلق نہیں۔ بد نگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں ما تخفی الصدور یعنی جس شے کو سینے میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں۔ یہ پہلے سے اشد ہے یعنی معصیت صرف نگاہ ہی سے نہیں۔ بلکہ دل سے بھی

ہوتی ہے۔ بہت لوگ دل سے سوچا کرتے ہیں اور عورتوں و مردوں کا تصور کرتے ہیں۔ اور خیال سے مزے لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم متقی ہیں خوب سمجھ لو کہ تلیس ایلیس لعین ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ دل کے اندر سوچنے سے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے اور زیادہ فتنہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نگاہ کرنے میں تو بعض مرتبہ قہقہ اور بد صورت ثابت ہوتا ہے۔ اور دل کے اندر باتیں کرنے میں تو طبیعت کا زیادہ لگاؤ ہو جاتا ہے اور قلب سے کسی طرح وہ نہیں نکلتی بلکہ محض نگاہ نہ کرنے سے اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھ کر زیادہ مقرب سمجھتا ہے اور یہ دیکھتا کہ دل میں محتج ہو رہا ہوں تو مجاہدہ کہاں رہا۔ غرض اس کا اسداد بھی بہت ضروری ہے۔ اور چونکہ قلب کے اندر کانوں کے واسطے بھی باتیں اس قسم کی پہنچتی ہیں۔ اس لئے جس طرح آنکھوں کی حفاظت ضروری ہے۔ کانوں کی نگہداشت بھی ضروری ہے کہ ایسے قصے اور حکایات نہ سنے نہ ایسے مقام پر جاوے جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو۔ بعض مرتبہ خود قلب ہی سے معصیت صادر ہوتی ہے صدور کے وقت آنکھ کان کا واسطہ نہیں ہوتا۔ مثلاً پہلی دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں اور ان سے التناؤ ہوتا ہے۔ اور معصیت قلب کا معصیت امین سے اشد ہونا ایک اور وجہ سے بھی ہے۔ وہ یہ کہ قلب سے سوچنے اور آنکھوں سے دیکھنے میں ایک فرق بھی ہے۔ یعنی آنکھوں کے گناہ میں تو نفس فعل کو کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔ گو نیت پر مطلع نہ ہو۔ اور دل کے اندر سوچنے کے فعل کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اس سے وہی بچے گا۔ جس کے قلب میں تقویٰ ہو۔ (الرقی حصہ دوم ص ۱۵۱)

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجے ہیں قلب کو باوجود تقاضہ کے روکنا۔ تقاضے کو ضعیف کر دینا۔ اور قلع المقتضے یعنی مادہ ہی کا قلع قمع کر دینا ان میں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اس طرف متوجہ نہ ہونے دینا۔ یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ ہو جائے تو تم اسکو روکو۔

اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً کسی کریمہ المنظر، بد شکل، بد صورت، بد ہیئت کی طرف دیکھو اگر کوئی موجود نہ ہو کسی ایسے بد صورت کا خیال بناندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے، چیچک کے داغ ہیں، آنکھوں سے اندھا ہے، سر سے گنجا ہے، رال بہہ رہی ہے، دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں، ناک سے نکلتا ہے، ہونٹ بڑے بڑے ہیں، اور سنک بہہ رہا ہے اور کھیاں اس پر بیٹھی ہیں۔ گویا شخص دیکھا نہ ہو مگر قوت متحیلہ سے تراش لو۔ کیونکہ تمہارے دماغ میں ایک قوت متحیلہ ہے۔ آخر اس سے کسی روز کام تو لو گے۔ متحیلہ کا کام تو جوڑ توڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض کیا جاسکتا ہے اس کا مراقبہ کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ فساد جو حسین کے دیکھنے سے قلب میں ہوا ہے وہ جاتا رہے گا۔ اور اگر پھر خیال آوے پھر یہی تصور کرو۔ اور اگر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہ ہو اور بار بار پھر اسی حسین کا تصور ستاوے تو یوں خیال کرو کہ یہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جاویگا وہاں اس کا نازک بدن سرنگل جاویگا کیڑے اس کو کھالیں گے یہ خیال تو فوری علاج ہے۔ اور آئندہ کے لئے تقاضہ پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرو۔ اور دوسرے یہ کہ عذاب الہی کا تصور کرو۔ تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کو مجھ پر پوری قدرت ہے۔ طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل میں سے نکلے گا۔ جلدی نہ جاوے گا جلدی نہ کرے اس لئے کہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔ (الرفق حصہ دوم ص ۱۵۲)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتے ہوئے غیر پر نظر ناممکن ہے

خلاصہ یہ کہ مجھے اس گناہ پر متنبہ کرنا منظور ہے اس لئے کہ اس گناہ کا ابتلاء عام تھا حتیٰ کہ جو نیک کہلاتے ہیں وہ بھی اس میں مبتلا ہیں اللہ کے واسطے اس کا انتظام کرنا چاہئے افسوس منہ سے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور غیر پر نظر

افسوس صد افسوس۔ (الرقی حصہ دوم ص ۱۵۲)

معصیت کے تقاضہ کا نہایت مفید علاج

ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی وہ یہ کہ جب قلب میں ایسا خیال پیدا ہوا یا کرو کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضا پیدا ہو فوراً ایسا ہی کرو۔ ایک دن توبہ ہی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔ دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا۔ اسی طرح بتدریج نکل جاوے گا اس لئے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے۔ جب دیکھے گا ذرا سائزہ لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے یہ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے دوسرے نہ آویں گے۔

امراض بدنہ کا انتہائی انجام موت ہے اور موت چونکہ قاطع تمام مصائب کی ہے اس لئے کچھ مضر نہیں۔ مگر پھر بھی امراض بدنہ کا اس قدر اہتمام ہوتا ہے جس کی کوئی حد نہیں بخلاف مرض روحانی کے جس کی حقیقت ہے حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا اور اعتدال سے خارج ہو جانا کہ اس کا انجام وہ ہلاکت ہے جس کی نسبت فرمایا ہے۔ لا يموت فيها ولا يحيي جس کا نام جہنم ہے اگر موت آجاتی تو سب قصے ختم ہو جاتے مگر وہاں موت بھی نہیں پس جس مرض کا انجام صرف ہلاکت بدن ہے اس کو جب قابل اہتمام سمجھتے ہیں تو جس مرض کا نتیجہ ہلاکت ابدی یا مدید و شدید ہے کیا وہ قابل اہتمام نہیں کیا اس کو مرض نہ کہا جاویگا مگر حالت یہ ہے کہ زکام ہو جاوے تو حکیم جی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور صد ہا روحانی امراض میں مبتلا ہیں اور کچھ پرواہ نہیں۔ (الرقی ص ۱۲۲)

اور یوں تو ہر معصیت قابل اہتمام و فکر ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ معصیت زیادہ قابل فکر ہے جس کو خفیف سمجھا جاوے۔ کسی نے بقرط سے پوچھا تھا کہ امراض میں کونسا زیادہ شدید ہے کہا کہ جس مرض کو خفیف سمجھا جاوے وہ

بہت اشد ہے اسی طرح جس گناہ کو ہلکا سمجھا جاوے وہ بہت شدید ہے اس لئے کہ وہ لاعلاج ہے۔

منجملہ ایسے امراض کے ایک مرض یعنی گناہ وہ ہے جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے اور اسی واسطے اس کو اس وقت اختیار کیا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں يعلم خائنة الاعین الخ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے آنکھوں کے گناہ کو اور دل کے گناہ کو اور یوں تو آنکھوں کے بہت سے گناہ ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے بد نگاہی اسی طرح دل کے بہت گناہ ہیں لیکن یہاں بقریبہ سیاق خاص گناہ کا ذکر ہے یعنی نیت بری ہونا ان دونوں گناہوں کو لوگ گناہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ جس درجہ ان کی مضرت ہے اس قدر نہیں سمجھتے چنانچہ گناہ کا ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہئے کہ دل تو میلا ہو جائے مگر اس گناہ کے بعد دل بھی میلا نہیں ہوتا بہت خفیف سمجھتے ہیں کسی عورت کو دیکھ لیا کسی لڑکے کو گھور لیا اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا یا کسی پھول کو دیکھ لیا۔ (الرقی ص ۱۳۲)

اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں بدکاری سے تو بہت محفوظ ہیں کیونکہ اس کے لئے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں اول تو جس سے ایسا فعل کرے وہ راضی ہو اور روپیہ بھی پاس ہو اور نیز حیا و شرم مانع نہ ہو غرض اس کے لئے شرائط بہت ہیں اسی طرح موانع بھی بہت ہیں چنانچہ کہیں تو یہ امر مانع ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہو گئی تو کیا ہو گا کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی بیماری نہ لگ جاوے کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا کسی کو اس کی وضع مانع ہوتی ہے چونکہ موانع زیادہ ہیں اس لئے کوئی شائستہ آدمی خصوصاً جو دیندار سمجھے جاتے ہیں اس میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں بخلاف آنکھوں کے گناہ کے کہ اس میں سامان کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ نہ اس میں ضرورت روپیہ کی اور نہ اس میں بدنامی کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے کسی کو گھور لیا اور مولوی

صاحب مولوی صاحب رہتے ہیں اور قاری صاحب قاری صاحب رہتے ہیں نہ اس فعل سے ان کی مولویت میں فرق آتا ہے اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں وجہ لگتا ہے اور گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہوتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی معصیت کرتے ہیں اور نیک نام رہتے ہیں لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو بچوں سے بڑی محبت ہے جبکہ آنکھوں کے گناہ میں اطلاع نہیں ہوتی تو دل کے گناہ میں تو کیسے ہو سکتی ہے۔

اس لئے یہ گناہ بد نگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لئے لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں پھر زنا و دیگر معاصی مثل سرقت وغیرہ میں تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ قوت و طاقت ہو اس میں اس کی بھی ضرورت نہیں اس لئے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں۔ دیکھئے بوڑھا اگر عاشق ہو جائے اور قابو بھی چل جاوے تو کچھ بھی نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ قوت ہی نہیں ہے مگر آنکھوں کے سینکے میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں خواہ لب گور ہی ہو جاوے۔

مجھ سے ایک بوڑھے آدمی ملے اور وہ بہت متقی تھے انہوں نے اپنی حالت بیان کی میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنے میں مبتلا ہوں ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کو گھورنے میں مبتلا تھے۔ اور یہ مرض اول جوان میں پیدا ہو جاتا ہے بلکہ سب گناہوں کی یہی شان ہے کہ اول جوانی میں تقاضے کی وجہ سے کیا جاتا ہے پھر وہ مرض اور روگ لگ جاتا ہے اور لب گوزنک کیا جاتا ہے۔ (الفتح حصہ دوم ص ۱۳۵)

لیکن جوان اور بوڑھے میں فرق یہ ہے کہ جوان آدمی تو معالجہ کے لئے کسی سے کہہ بھی دیتا ہے اور بوڑھا آدمی شرم کی وجہ سے کسی سے کہتا بھی نہیں پس اس کے مخفی رہنے اور خفیہ ہونے کی وجہ سے اس میں کثرت سے ابتلا واقع ہے اسی واسطے فرماتے ہیں يعلم خائنة الاعین وما تخفي الصدور۔ يعلم کالفظ وال ہے کہ اور لوگ اس سے واقف نہیں ہیں ہم ہی واقف ہیں مطلب یہ ہے کہ تم

جو یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس گناہ کی کسی کو خبر نہیں یہ صحیح نہیں ایک ایسے کو خبر ہے کہ جس کو خبر ہو جانا غضب ہے اس لئے کہ اس کو تم پر پوری قدرت ہے۔ (الفتح ص ۱۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو ذکر فرما کر اس کی سزا بیان نہیں فرمائی بخلاف دیگر معاصی کے کہ ان کی سزا ساتھ ساتھ بیان فرمادی ہے اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ طبائع ہم لوگوں کی مختلف ہیں۔ بعض طبائع تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو سزا ہونا مانع اور زاجر ہوتا ہے۔ وہ تو وہ لوگ ہیں جو بے حیا و بے شرم ہیں کہ جوتوں سے ڈرتے ہیں اور بغیر جوتیوں کے خواہ کسی کو خبر ہو جاوے ان کو کچھ باک نہیں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ سزا کی اگر اطلاع ہو جاوے تو رکاوٹ کم ہوتی ہے لیکن اس سے وہ گڑ جاتے ہیں کہ فلاں کو خبر ہو جاوے گی بالخصوص جبکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا یہ جرم معاف بھی ہو جاوے گا تو اور بھی زیادہ عرق عرق ہو جاتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ پیار آتا ہے مجھ کو انشا
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے وہ دمیدم عنایت

اسی بنا پر ایک آیت کی تفسیر یاد آگئی وہ یہ کہ غزوہ احد کے قصہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو حضور کے حکم میں کچھ خطا واقع ہوئی تھی وہ یہ کہ جس ناکہ پر حضور نے ثبوت اور قائم رہنے کا امر فرمایا تھا بوجہ خطا اجتہادی کے اس پر قائم نہ رہے اس کے بارہ میں ارشاد ہے ﴿اذ تصعدون ولا تلوّن علی احد والرسول یدعوکم فی اخریکم فاصابکم غمًا بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک غم دیا ہے سبب اس کے کہ ہمارے رسول کو تم نے غم دیا۔ اور غرض اس غم دینے کی یہ فرمائی کہ تم لوگ غمگین نہ ہو تو بظاہر یہ فہم میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ غم تو

اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ حزن ہو نہ اس لئے کہ غم نہ ہو۔ اسی واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لازماً ہے مطلب یہی ہے کہ غم اس لئے دیا تاکہ تم کو حزن ہو لیکن الحمد للہ میری سمجھ میں اس کی تفسیر ایسی آئی ہے کہ اس تقدیر پر لازماً ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور معنی بے تکلف درست ہیں وہ یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حق تعالیٰ سے نہایت شرماتے تھے۔ جب ان سے یہ خطا واقع ہوئی تو ان کا جی چاہتا ہے کہ ہم کو سزا اس کی دنیا میں ملے تو ہماری طبیعت صاف ہو جاوے اور اپنے مالک حقیقی سے سرخرو ہو جائیں اگر سزا نہ ہوتی تو ساری عمر رنجیدہ رہتے۔ اور یہ غم ان کے نزدیک نہایت جانکاہ و جان فرسا تھا۔ اس بناء پر فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اس خطا کی یہ سزا دیدی تاکہ تم کو غم نہ ہو غرض کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سزا کا نام سن کر رکتے ہیں اور ایک وہ جو صرف اطلاع کی خبر دینے سے شرماتے ہیں اور اس کام کے قریب نہیں جاتے تو جو بے حیا تھے وہ تو یوں رکے کہ یعلم میں اشارہ سزا کی طرف بھی ہے۔ چنانچہ مفسرین ایسے مقام پر فیحجاز یکم بہ فرماتے ہیں اور دو سرے مذاق والے اس لئے رکے کہ شرم سے گڑ گئے کہ اللہ اکبر وہ جانتے ہیں بہر حال یہ دونوں مذاق والوں کے لئے وعید ہے۔ (ص ۱۲۷)

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ مرض نہایت اہتمام کے قابل ہے اب ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ ابتلائے عام ہے اس کو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جن کی قوت شہویہ ضعیف ہو گئی ہے ان کو احساس بھی نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں اس لئے کچھ حرج نہیں ہے سوان کو مرض کا بھی پتہ نہیں لگتا اور بعضوں کو اور دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ کہ شیطان بہرکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول، اچھے کپڑے، اچھے مکان، وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے

ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ سو یہ بالکل دھوکہ ہے یاد رکھو کہ رغبت کے مختلف انواع ہیں جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں اچھے کپڑے کو دیکھ کر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اس کو گلے لگالوں، چمٹالوں۔ انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے ایک دھوکہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ کہتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹے کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گلے لگالوں اسی طرح دوسرے کے بچے کو دیکھ کر بھی ہمارا جی چاہتا ہے صاحبو کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچے اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے امیں شہوت کی آمیزش ہرگز نہیں اور دوسرے کے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کا بعض کا جی چاہتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے اور اپنے لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا۔ (الرتق ۸۱۲)

اور لڑکوں کی رغبت تو اور بھی سم قاتل ہے نصوص میں تو اس کی حرمت ہے ہمارے بزرگوں نے بھی جو اس کے آثار لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سخت بلا ہے ایک بزرگ مطلق نظر کے لئے فرماتے ہیں النظرۃ سہم من سہم ابلیس یعنی نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے حضرت ابو القاسم قشیری دونوں امر کی نسبت فرماتے ہیں کہ سالک کیلئے مردوں اور عورتوں کی مخالفت رہزن ہے ایک بزرگ کا خاص مردوں کے حق میں قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کر دیتے ہیں غرض یہ نہایت مضرت کی چیز ہے۔

اور دوسرے معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور دل بھر جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی شے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے کہ اور دیکھو آدمی کھانا کھاتا ہے سیر ہو جاتا ہے، پانی پیتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے مگر یہ نظر ایسی بلا ہے کہ

اس سے سیری نہیں ہوتی اس حیثیت خاص سے یہ تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے
بعض لوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ اس سے اللہ کا قرب ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ
ہم اللہ کی قدرت دیکھتے ہیں مگر نرا شیطان دھوکہ ہوتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملا جالی نے تو عشق مجازی کا مرکب کیا ہے اور حکایت
لکھی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس کوئی طالب گیا تھا انہوں نے کہا کہ عاشق ہو کر
آؤ اور آگے لکھتے ہیں

متاب از عشق روگرچہ مجازی است کہ آں بہر حقیقت کار سازی است
اگر اول الف باتا نخوانی ز قرآن حرف خواندن کے توانی
(الرقم ص ۱۳۹)

عشق مجازی کی تحصیل پر استدلال کیا جاتا ہے آگے چل کر فرماتے ہیں

ولے باید کہ در صورت نہ مانی و نہی پل زود خود را بگذرانی

مولانا اسی عشق کے بارہ میں فرماتے ہیں

عشق با مرداں نباشد پائدار - عشق را با حی و با قیوم دار
عشقبائے کرپے رنگی بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

آگے فرماتے ہیں

غرق عشق شوق غرق است اندر یس عشقبائے اولیں و آخریں
پھر یہاں پر شبہ ہوتا تھا کہ ہم جیسوں کو عشق حقیقی تک رسائی کہاں ممکن
ہے اس کا جواب دیتے ہیں

تو گو مار ابدان شہ بار نیست با کریمیاں کا رہا دشوار نیست

یعنی ان کو کچھ مشکل نہیں تم کو مشکل نظر آتا ہے تم ذرا اس طرف متوجہ

ہو کر تو دیکھو وہ خود تم کو اپنے قریب کر لینگے وہ دنیا کے محبوبوں کی طرح نہیں ہیں کہ عشاق مرجاتے ہیں وہ نخرے کرتے ہیں غرض اس مسئلے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود نظر بازی کہیں 'مزے اڑائیں اور سمجھیں کہ ہم صوفی ہیں ہم کو سب حلال ہے اور یہ فعل ہمارا قرب کا واسطہ ہے استغفر اللہ قرب سے اس کو کیا واسطہ؟ یہ تو بہت بعید کر دینے والا ہے۔

بد نگاہی بہت سخت گناہ ہے

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے ”انا غیور و اللہ اغیر منی ومن غیرہ حریم الفواحش ماضیہ منہا وما بطن“ اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا، ہاتھ سے پکڑنا، پاؤں سے چلنا، کیونکہ ان سب کو شارع نے زنا ٹھہرایا ہے۔ ”العینان تزنیان وزنا هما النظر والاذنان تزنیان وزنا هما الاستماع واللسان یزنی وزناہ النطق والیدان تزنیان وزناهما البطش“ الحدیث۔ یعنی کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور اس کا زنا دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے (یعنی کسی عورت ولڑکے سے شہوۃ کی راہ سے باتیں کرنا) اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) پکڑنا ہے۔ اور جب یہ فواحش ہیں اور فواحش پر غیرت حق اوپر معلوم ہو چکی ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ افعال نہایت ناپسند ہیں۔ (الرقی ص ۱۴۲)

مصیبت کے وقت بجائے استغفار کے خرافات بکنے کی مذمت

مگر ہم لوگ اس سے ایسے بے خبر ہیں کہ کسی مصیبت میں گناہوں کو کبھی یاد ہی نہیں کرتے بلکہ مصیبت میں اکثر یہ مقولہ زبان پر لے آتے ہیں کہ کروڑ

نہ کر تو ڈر مطلب یہ کہ ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا مگر اڑنگے میں آگئے۔ سو خوب سمجھ لو کہ یہ ایک جاہلانہ مقولہ ہے کیونکہ نہ کر کے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ اگر کچھ نہ کر کے بھی ڈرنا ضروری ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ گویا ظالم ہیں خوب یاد رکھو کہ ایسا کہنا سخت توہین کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی۔ صاحبو اللہ تعالیٰ تو کئے پر بھی کم گرفت کرتے ہیں اور بے کئے تو پکڑتے ہی نہیں چنانچہ قرآن شریف منصوص ہے ﴿مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ یعنی ہمارے کرتوتوں میں بہت سے معاف ہو جاتے ہیں اور ان پر گرفت نہیں ہوتی۔

حکایت : حضرت عمرؓ نے ایک چور گرفتار کیا اور قطع ید کا حکم دیا اس چور نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ میرا پہلا قصور ہے مجھے معاف کر دیجئے پھر کبھی نہ کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اللہ تعالیٰ پہلے جرم میں کبھی کسی کو رسوا نہیں کرتے چنانچہ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سے قبل بھی دو تین مرتبہ چوری کر چکا ہے۔

حلم حق باتو سوا سا ہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

اللہ تعالیٰ کا حلم بہت کچھ مواساۃ کرتا ہے لیکن جب ہم حد سے بالکل ہی نکل جائیں تو آخر غیرت خداوندی ہم کو رسوا کر دیتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ گناہوں پر بھی ہم کو بہت کم پکڑتا ہے۔ (الرتق حصہ اول ص ۴۹)

لیکن چونکہ ہم لوگ اپنے بہت معتقد ہیں اس لئے اپنے معاصی کی ہم کو خبر نہیں ہے۔

گناہوں سے غفلت سخت مرض ہے

اور بعض اوقات تجاہل بھی ہوتا ہے کہ غفلت کی وجہ سے ہم کو پتہ نہیں

چلتا۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ جانے ہم نے کیا گناہ کیا تھا کہ یہ مصیبت ہم پر نازل ہوئی۔ اللہ اکبر گویا ہم کو کسی وقت اپنے گناہ سے خالی ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے۔ صاحبو! اپنے گناہوں سے غفلت کرنا بہت بڑا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں۔ (اشرف المسائل ص ۱۳۷)

علاج گناہ

نماز نفس پرہت گراں ہے۔ توجب ہر گناہ کے بعد دو رکعت پڑھنا اپنے ذمے لازم کر لو گے۔ تو نفس گناہوں سے گھبرا جائے گا کہ یہ کہاں کی علت سرگئی۔ بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دے گا۔ کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعتیں پڑھے گا۔ گناہ تو توبہ سے معاف ہو جائے گا۔ اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔ اس لئے وہ گناہ کرانا ہی چھوڑ دے گا۔ تاکہ تم اتنی رکعتیں نہ پڑھ سکو۔ (مطالعہ الاقوال ص ۲۷)

توبہ۔ اصلاح حال

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ اے اللہ میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں۔ مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ میں سخت نالائق ہوں سخت خبیث ہوں۔ سخت گنہگار ہوں۔ میں تو عاجز ہو رہا ہوں۔ آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامان نجات نہیں۔ آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ اے اللہ جو گناہ میں نے اب تک کئے ہوں۔ انہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔ گو میں یہ نہیں کتا کہ

آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا۔ لیکن پھر معاف کرالوں گا۔ غرض اس طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو بد پرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہو گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائیگی۔ شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا۔ دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاویگا کہ آج آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

(ملت ابراہیم ص ۴۸) (اشرف المسائل ص ۱۶۲)

اخلاق تحقیق معنی اشرف النفس

حال : ایک بات یہ دریافت طلب ہے کہ ایک درزی کا میں نے آنکھ کا علاج کیا اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی اس نے نہیں دی تھی کہ میں نے بوجہ ضرورت ایک پرانی چھتری پر غلاف نیا چڑھوا لیا جس سے وہ مثل نئی کے ہو گئی اور ایک دوسری پرانی چھتری پر پرانی غلاف کی مرمت کر لی۔ وہ ————— کیلئے ہو گئی اس کے بعد وہ نئی چھتری نہایت خوبصورت لایا مجھے اس کے دیکھتے ہی بہت خوشی ہوئی وہ چھتری لے لی یہ اشرف نفس ہے یا نہیں۔ میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ کسی کو دیدوں مگر گھر میں کہا تمہاری چھتری آخر پرانی ہے اور ————— کی چھتری بالکل پرانی ہے اس کو پڑا رہنے دو۔

تحقیق : اشرف مطلق انتظار بمعنی احتمال کو نہیں کہتے بلکہ خاص اس انتظار کو جس کے یہ آثار ہوں کہ اگر نہ ملے تو قلب میں کدورت ہو اس پر غصہ آوے اور اس درجہ کا اشرف بھی اہل توکل کے لئے مذموم ہے اور اہل حریفہ کیلئے

مذموم نہیں مثلاً طیب کے لئے یہ نقص نہیں ہے۔

دین دار کو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والے پر غیظ و غضب کا ہونا لازم ہے اور یہ حمیت دین ہے نہ کہ تعصب

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں شہر کو الٹ دو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ اس شہر میں فلاں شخص رہتا ہے جس نے کبھی آپکی نافرمانی نہیں کی۔ کیا اس کو بھی سب کے ساتھ الٹ دوں۔ ارشاد ہوا کہ گو ظاہراً اس نے نافرمانی نہیں کی۔ مگر دوسروں کی نافرمانی دیکھ کر اس میں کبھی تخمیر پیدا نہیں ہوا لہذا اس کو بھی الٹ دو۔ دیکھئے یہ شخص ظاہری حالت میں ایسا بزرگ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی دھوکا ہو گیا۔ لیکن واقع میں ایک بہت بڑے گناہ میں مبتلا تھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کے ساتھ محبت کا جوش ذرا نہیں تھا۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ اور رسول کی محبت ہو اور ان کی مخالفت و نافرمانی دیکھ کر یا شریعت کا استخفاف سن کر اس کے دل میں مخالفین سے غیظ نہ پیدا ہو یا اس کو ان کی حرکات ناگوار نہ ہوں۔ اگر کسی دیندار کو ایسے امور ناگوار ہوتے ہیں تو اس کو متعصب اور بد مزاج کہا جاتا ہے اور یہ رائے دی جاتی ہے کہ صاحب نرمی سے جواب دینا چاہئے تھا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کسی شخص سے یہ کہا جاوے کہ ہم نے تمہاری ماں کو بازار میں بیٹھے ہوئے اور بازاری عورتوں کی حرکات میں مبتلا پایا ہے تو کیا یہ شخص اپنی ماں کی نسبت ٹھنڈے دل سے یہ الفاظ سن لے گا اور کہنے والے پر حملہ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائے گا۔ کیا اس کے اس جوش کو تعصب کہا جائے گا اسی کو بھی ایسی رائے دیجائیگی مگر مولویوں پر الزام ہے کہ یہ بہت جلد خفا ہو جاتے ہیں اور ان کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے یہ بڑے متعصب ہیں۔ لیکن صاحبو ذرا غور کیجئے

اور انصاف سے کام لیجئے۔ کوئی مولوی بھی سیدھی بات پر خفا نہیں ہوتا۔ نہ کسی مولوی کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے۔ اگر پوچھنے کی طرح ان سے پوچھا جاوے اور بات کرنے کی طرح ان سے بات کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مولوی غصہ کہے۔ اور خفا ہوں۔ ہاں جب ان کے ساتھ استہزاء اور اللہ رسول کے احکام پر اعتراض بطور عناد کیا جاتا ہے تو ضرور وہ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ غصہ یا بیتابی تعصب نہیں ہے یہ دین کی حمیت ہے۔

صاحبو کیا شریعت کے احکام کی وہ عظمت اور محبت بھی دل میں نہ ہونا چاہئے۔ جو کہ اپنی مال کی ہے کہ مال کی نسبت ناگوار کلمات سن کر تو انسان قابو سے باہر ہو جائے اور اپنے آپے میں نہ رہے اور شریعت کی ہنگ ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کو غصہ بھی نہ آجاوے اور جن کو غصہ نہیں آتا وہ ناحقیقت شناس ہیں۔ اس لئے ان کو غیرت نہیں آتی۔ کچھ دنوں اس رنگ میں اپنے قلب کو رنگواور پھر بھی اگر یہ حالت رہے تو جانیں۔ صاحبو محض الفاظ کے سننے سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت کیونکر ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اپنے اوپر یہ حالت گذری نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

پرسید یکے کہ عاشقی چیت گفتم کہ چوما شوی بدانی

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تقلید اُبی کہہ رہا ہوں۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جن حضرات کی تقلید اختیار کی ہے ان کو سچا سمجھتا ہوں۔ (الفتح حصہ دوم ص ۱۰۲)

جو لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے قمع ہیں

وہ جنت میں آپ کے ساتھ رہیں گے

صاحبو۔ ان حضرات کی غیرت کی یہ حالت تھی کہ اللہ و رسول سے دور

کرنے والی چیزوں کو گو وہ چیزیں ان کی کیسی مرغوب و محبوب ہوں طاغوت سمجھتے ہیں حضرت طلحہ ؓ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اس میں اڑ کر آگیا۔ اور چونکہ باغ نہایت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا۔ پریشان ادھر ادھر اڑتا پھرنے لگا۔ اس پرندہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہ ؓ کے دل میں باغ کے گنجان ہونے پر گو نہ مسرت پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اس کے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ ہیں کہ کسی پرندہ کو بھی با آسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی۔ یہ خیال آٹو گیا لیکن چونکہ دل میں عظمت و محبت خداوندی معراج کمال پر تھی نبی کریم ؐ کی صحبت پر برکت سے فیضیاب تھے اس لئے فوراً ہی متنبہ ہوا۔ اور دل میں سوچا کہ اے طلحہ تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالت نماز میں تو ادھر متوجہ ہوا۔ آخر نماز کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے باغ نے آج مجھے عین نماز کی حالت میں اللہ سے مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ لہذا اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا اور اس شغل عن الحق کے کفارہ میں میں اس کو وقف کرتا ہوں آخر اس کو وقف کر دیا جب دل کو اطمینان ہوا۔ ان حضرات کی یہ شان ہے کہ ﴿اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون﴾ کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کسی ضعیف سے درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان الی الدنیا ہو جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے کہ گویا ہفت اقلیم کی سلطنت ان کے قبضہ سے نکل گئی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت نکل جانے سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان سے ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

ۛ

بہرچہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف چہ ایمان
بہرچہ از یار دورافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

شاید لوگوں کو یہ تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آجانے سے ان کے دل پر ایسا
صدمہ کیسے گذرا تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان لوگوں کے نزدیک تمام دنیا شغلِ جتن کے
مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

بر دل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ دل خالے کم بود

(الرقی حصہ دوم ص ۱۰۵)

ایک خلال اتنا قیمتی ہے کہ دنیا تمام اس پر فدا ہے اور دنیا تو ان کو کیا
مطلوب ہوتی۔ عالم آخرت کی طرف بھی ان حضرات کی توجہ صرف اس لئے ہے
کہ وہ ان کے مطلوب یعنی رضائے حق کا محل ہے۔ ورنہ ان کی یہ شان ہے کہ

۹

باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا
بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

اور مولانا یہ بھی فرماتے ہیں۔

گفت معشوقے بعاشق کای فتنے
تو بغیرت دیدہ بس شہرہ
پس گدای شہراز آہنا خوشترست
گفت آں شہرے کہ دروے دلبراست

جنگل میں اگر محبوب کا ساتھ ہو جاوے تو ہزار آبادی سے بڑھ کر ہے۔
شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اقوال غلبہ حالات و دلولہ محبت کے ہیں کوئی واقعی تحقیق
نہیں ہے۔ تو یاد رکھو اس کے بارہ میں نص موجود ہے حدیث میں ایک صحابی
حضرت ثوبان کا واقعہ یاد آیا کہ وہ حضرت سرور کائنات ﷺ کے پاس حاضر
ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ

تو نصیب نہیں ہو سکتا جو درجہ آپ کا ہو گا اور جب ہم اس درجہ میں نہ پہنچ سکیں گے تو آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے اور جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہو گا تو ہم جنت کو لیکر کیا کس گے۔ حضور نے یہ سن کر سکوت فرمایا۔ آخر وحی نازل ہوئی کہ ﴿مَنْ يَطْعُ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ الآية جب حضور ﷺ نے ان کی تسلی فرمائی یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس درجہ میں عارضی طور پر پہنچنے کے لئے اسی درجہ کے اعمال کی ضرورت ہو۔ صرف اتباع اور محبت نبی کافی ہے۔ جیسے دربار شاہی میں خدمتگار محض معیت و خدمت شاہ کی وجہ سے دیگر رؤسا سے پہلے پہنچتا ہے اس لئے مع الذین فرمایا آگے ذلک الفضل میں تصریح بھی فرمادی ہے کہ اس کو اپنے اعمال کا اثر مت سمجھنا یہ محض فضل ہے اور واقع میں اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ ہمارا دین اور ایمان ہماری دنیا اور سب سامان ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا ثواب، درجات جو کچھ بھی ہے سب حضور ﷺ ہی کا طفیل ہے۔ چنانچہ ان آیات کے شان نزول کے انضمام سے صاف معلوم ہوتا ہے جن میں ارشاد ہوتا ہے ﴿ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾ اس کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں یہ محض فضل الہی ہے کہ تم کو ایک بہانہ محبت سے باریابی کی دولت نصیب ہو گئی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ ذلک الفضل سے بعض مغلوب الیاس لوگوں کی ناامیدی دور کرنا ہے کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو جاوے کہ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ ہم اس درجہ تک پہنچ سکیں تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ اگرچہ تم اس قابل نہیں لیکن نعمت تمہارے اعمال کی جزا نہیں ہے کہ تم ان پر نظر کر کے اس نعمت سے مایوس ہو جاؤ۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل وجود ہے جس کے لئے تمہارے

صلوٰۃ اور عارضی طور پر اس لئے کہا کہ حضور ﷺ کے درجہ میں مستقر و مقاماً کون جاسکتا ہے البتہ زیارت کے لئے رسائی ہو کرے گی جس طرح دنیا میں مسکن بزرگ کا جدا ہوتا ہے لیکن ملاقات کیلئے دوسرا بھی آجاتا ہے۔ ۱۲

اعمال کامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے سبحان اللہ قرآن پاک بھی کیا عجب چیز ہے کہ دو متعارض شبہے ایک عجب دو سرائیاں اور ایک جملہ میں دونوں کا جواب خواہ یوں کہہ لو خواہ یوں کہہ لو۔

ہر مذاق ہر طبیعت ہر رنگ کا علاج قرآن میں موجود ہے۔ پس روایت ثوبان رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات بالکل صاف معلوم ہو گئی۔ (الرتق حصہ دوم ص ۱۰۶)

کیونکہ ان کے اس خیال پر انکار نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ تسلیم کر کے تسلی کی گئی۔ غرض یہ مضمون بالکل سنت کے موافق ہے نہ انکتہ تصوف یا شاعرانہ نہیں سو یہ ہے ان حضرات کی شان کہ دونوں عالم بھی ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی رضا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لقاء کے برابر نہیں خوب کہا ہے

قیمت خود ہر دو عالم گفتم نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

محبت اور غیرت کی تو خاصیت ہی ہے کہ جب یہ بڑھ جاتی ہے تو سب کچھ چھوٹ جاتا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم نے غیرت ہی میں سلطنت چھوڑ دی تھی۔ اور وجہ اس سب کی یہ ہوتی ہے کہ ایک حالت میں دو طرف توجہ کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ ممکن نہیں اس واسطے مجبوراً ایک طرف کی توجہ کو ترک کر دینا پڑے گا۔ اب رہی یہ بات کہ کس جانب کو ترک کیا جاوے تو ظاہر ہے کہ توجہ الی اللہ کی دولت تو قابل ترک نہیں لہذا دنیا ہی پر لات مار دیتے ہیں۔ خوب کہا ہے

بفراغ دل زمانے نظرے بماء روئے

بہ از آنکہ جبر شای ہمہ روز ہائے ہوئے

(الرتق حصہ دوم ص ۱۰۷)

حضرت ابراہیم بن ادہم نے اسی کی تحصیل کے لئے سلطنت پر لات

مار دی۔ (الرتق فی سوانح)

مرنے والوں اور مصیبت زدوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے

(الرقی حصہ اول ص ۸۲)

جب کوئی مرے تو چونکہ ہمارے لئے بھی یہ دن آیا ہوا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو مگر آج کل کچھ ایسی غفلت بڑھی ہے کہ مردے کو دیکھ کر بھی ہماری حالت میں ذرا تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ حالت ہے کہ قبر پر بیٹھے ہیں اور امور دنیاوی کی باتوں میں مشغول ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اسکو اسی تک محدود دیکھتے ہیں حالانکہ سمجھنا یہ چاہئے کہ اس پر یہ مصیبت کیوں مسلط ہوئی ظاہر ہے کہ گناہوں کی وجہ سے تو ہم کو بھی گناہوں سے بچنا چاہئے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھو تو کہو الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک وفضلنی علی کثیر من خلق تفضیلا اس میں بھی تذکر ہے احتمال ابتلاء کی اور اس میں تنبیہ اجمالی ہے اسباب ابتلاء کی کہ معصیت ہے اسی پر یہ شکر سکھایا کہ احتمال تھا کہ اسی معصیت کے سبب شاید ہم بھی مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن یہ دعا آہستہ پڑھے کہ مصیبت زدہ کی دل شکنی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ لا تظهر الشماتۃ لاختیک بعض تو وہ ہیں جو کہ دوسرے کے مصائب پر ہنستے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ افسوس تو کرتے ہیں مگر طعن کے طور پر اسکی پلٹ اسی حدیث میں ہے فیرحمہ اللہ ویتلیک یعنی ہنسو مت شاید بجائے اس کے تم مبتلا ہو جاؤ۔

حکایت : کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے پاس بیٹھا کھا رہا تھا اس وقت ایک فقیر مانگنے آیا اس نے فقیر کو جھڑک دیا اتفاق سے کچھ ایسا انقلاب ہوا کہ یہ شخص بالکل تباہ و پریشان ہو گیا حتیٰ کہ جب بیوی کا نان و نفقہ بھی نہ چل سکا تو اس کو بھی طلاق دیدی اور اس نے کسی اور دولت مند سے نکاح کر لیا اتفاق سے اس دولت مند کے دروازہ پر کوئی شخص سوال کرنے آیا اس شخص نے اپنی

بیوی سے کہا کہ اس کو بھیک دے آؤ یہ جو دروازہ پر گئی تو وہاں سے روتی ہوئی لوٹی شوہر نے پوچھا تو اس نے یہ کہا کہ یہ میرا پہلا شوہر ہے اور اسی تذکرہ میں وہ قصہ سائل کے جھڑک دینے کا بھی بیان کیا۔ اس شوہر ثانی نے کہا کہ وہ سائل جو جھڑکا گیا تھا میں ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مال بھی دیا اور اس کی بیوی بھی دی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے پس عبرت حاصل کرو اور دوسروں کو بتلائے مصائب دیکھ کر ڈرو۔ بزرگوں نے بہت جگہ اس کو یاد دلایا ہے مگر ہم بے فکر ہیں۔

خالق اسباب کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے مصائب میں پریشانی نہیں ہوتی

(الرقق حصہ اول ص ۸۲)

مصیبت سے بچنے کے لئے ظاہری اسباب پر دار و مدار مت رکھو کہ ہمارے پاس تو تعویذ ہے ہم کو طاعون نہیں آسکتا یہ سب حکم الہی کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں سبب اصلی کو اختیار کرو اور وہ ارضاء حق ہے۔ اعمال میں احکام کے امتثال میں کوشش کرو کہ اس کے بعد مصیبت حقیقی نہ آوے گی یعنی ظاہری مصائب مثل مرض موت رنج وغیرہ کے تو ہوں گے مگر اطاعت کی برکت سے تمہارا قلب پریشان نہیں ہوگا جیسے کہ بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے تو وہ کسی چیز سے پریشان نہیں ہوتا اسی طرح اس مطیع کو چونکہ قرب حق نصیب ہو جاتا ہے لہذا یہ بھی پریشان نہیں ہوتا۔

اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

چہ فولا دہندی نمی بر سرش	موحد چہ برپائے ریزی زرش
ہمیں است بنیاد توحید و بس	امید و ہراسش نباشد ز کس

بلکہ اس سے ترقی کر کے یہ حالت ہوتی ہے کہ دوست کے بلا کی آرزو
کرنے لگتا ہے اسی کو عراقی فرماتے ہیں کہ

نشو و نصیب دشمن کہ شود ہلاک تینت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

لہذا چاہئے کہ مصیبت کے جتلا کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ اس اور اطاعت
حق میں مشغول ہوں کہ اس سے بچنے کی اصل ترکیب یہی ہے۔

تعلیمات ابتدائیہ برائے سالک بہ تقییل ارشاد حضرت حاجی محمد امدا اللہ
صاحب مہاجر مدنی
ذکر

خلوت میں با وضو و بقبیلہ بیٹھ کر کم از کم تین ہزار بار اسم ذات اللہ کو تکرار
کریں اور زیادہ جس قدر فرصت ہو۔

شغل

بشرائط مذکورہ وضو و استقبال قبلہ اپنے قلب پر آب نقرہ سے لفظ اللہ لکھا ہوا
تصور کیا جاوے اور اس میں مستغرق ہو جاویں۔

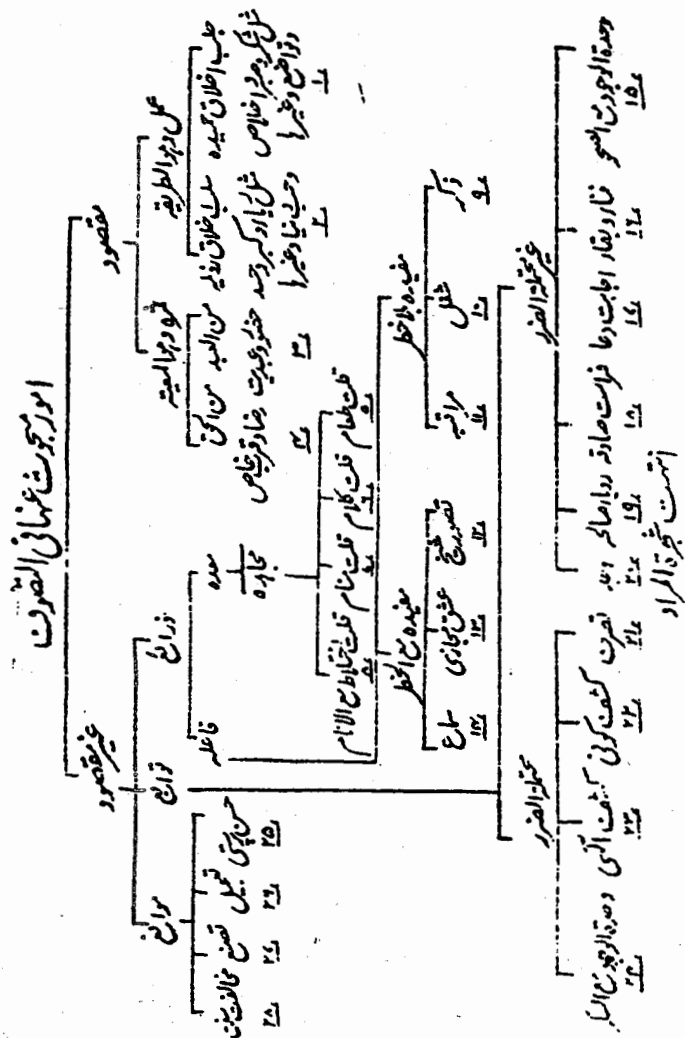
مراقبہ

بشرائط مذکورہ اول زبان سے تین چار بار آیت ﴿اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ
يَرٰی﴾ کا تکرار کر کے اس کے مضمون میں مستغرق ہو جاویں اور اللہ جل جلالہ کو
اپنے ظاہر و باطن پر مطلع و خیر و بصیر یقین کریں۔

علاج خطرات

ان کے دفع کا قصد نہ کریں بلکہ اپنے کام میں زیادہ متوجہ ہونے سے سب
دفع ہو جاویں گے۔ اھ

خلاصہ راہ سلوک



ایک طالب نے بذریعہ عریضہ دریافت کیا کہ اگر ذکر کے درمیان میں کوئی کام پیش آجائے تو آیا پہلے اس سے فارغ ہو کر سیکو ہو جائے یا ذکر میں مشغول رہے۔ جواب ارقام فرمایا کہ اگر گاہ گاہ ایسا ہوتا ہو تو اس کام سے اول فراغت کر لینا چاہئے اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو ذکر ہی میں لگا رہنا چاہئے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے اپنی پریشانی لکھی کہ جب کوئی شخص محض ملنے کے لئے آجائے تو طبیعت میں سخت الجھن پیدا ہوتی ہے پس اگر کوئی امیر ہوا تو بتکلف طبیعت پر جبر کر کے اس کے ساتھ بیٹھا رہتا ہوں لیکن اگر امیر نہ ہوا تو ضبط نہیں ہوتا اور جب یہ خیال ہوتا ہے کہ امراء و غرائب سب کے ساتھ برتاؤ ایک سا ہونا چاہئے۔ یہ اچھا نہیں کہ غراء کو تو ہٹا دیا جائے اور امراء کو بیٹھنے دیا جائے تو نفس یہ جواب دیتا ہے کہ امیروں کا آنا تو شاز و نادر ہوتا ہے برخلاف غراء کے کہ جب وہ اپنی طرف زیادہ توجہ دیکھیں گے تو پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گا۔ اھ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ فرق تو صحیح نہیں اس لئے کہ اگر کوئی غریب بھی اتفاقیہ شاز و نادر آتا ہو تو اس فرق کا مقتضایہ ہے کہ اس کو بھی بیٹھنے دیا جاوے حالانکہ معمول ایسا نہیں ہے سو یہ فرق صحیح نہیں بلکہ فرق صحیح یہ ہے کہ دلجوئی تو امر مشترک ہے مگر کیفیت دلجوئی کی ہر شخص کی جدا ہے اس کی حالت و طبیعت و عادت کے تفاوت سے یعنی امراء کی مجموعی حالت طبیعت و عادت کی ایسی ہے کہ جب تک زیادہ توجہ ان کی طرف نہ کی جاوے وہ خوش نہیں ہوتے اور غراء تھوڑی توجہ سے راضی ہو جاتے ہیں اس لئے دونوں کی دلجوئی کے طریق میں ایسا تفاوت مذموم نہیں البتہ غراء کو یا تو اٹھایا نہ جاوے خود اٹھ جاوے کسی بہانہ سے اور اگر اٹھانا ہی پڑے بہت نرمی سے مثلاً یہ وقت میرے آرام یا کام کا ہے آپ بھی آرام کیجئے۔ و مثل ذلك۔ اھ

ایک اور طالب کو تحریر فرمایا کہ ترک عمل و کسل و قتل کو عبدیت نہ سمجھ لیا جاوے عبدیت کے لئے حرکت فی العمل لازم ہے۔ و هذا منزلة اقدام كثير من اهل الطريق حتي وقوعه في ورطة الجبر والاحاد زعما منهم بانهم اطوع العباد.

فرمایا کہ اگر اعتماد ہو بتلانے والے پر اور فہم ہو تو اللہ کا راستہ اس قدر صاف اور آسان ہے کہ دس منٹ کے اندر سمجھ میں آسکتا ہے۔ دیر اور مشقت

جو کچھ ہے وہ عمل میں ہے اور وہ بھی رسوخ میں۔ اور جو مشقت عین عمل کے وقت ہوتی ہے مثلاً نیند کا غلبہ ہے اور نماز پڑھنی ہے تو اس وقت تو مشقت ہوتی ہے لیکن اگر اس کو برداشت کر لیا تو نماز پڑھ کر فوراً ایسی راحت میسر ہوتی ہے کہ سبحان اللہ۔ ساری مشقت کا بدل ہو جاتا ہے۔

فرمایا اصلی چیز راحت اور لذت ہے۔ اور وہ ملتی ہے خدا کے نام میں۔ حالانکہ ہماری نماز ہی کیا ہے محض ضابطہ پورا کرنا ہے نہ ترتیل، نہ تعدیل، ارکان، نہ خشوع و خضوع اس پر میں کہا کرتا ہوں۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف اگر باشد ندانم چوں کند

جب شراب میں میل ملا ہوا ہے خطرات و خواہشات نفسانیہ کا اس پر تو یہ حالت ہے کہ مجنوں کئے دے رہی ہے اور جن کو خدا نے صاف دی ہے ان کا کیا کہنا ہے۔ جب ہمیں یہ لطف حاصل ہو رہا ہے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نام لینے کی توفیق دیدے تو پھر کیا چیز ہے خزانہ مگر چونکہ دنیا ضرورت کی چیز ہے اس لئے مانگنا بھی چاہئے اور تدبیر بھی کرنا چاہئے۔ مگر یہ مقصود بالغیو ہے مقصود بالذات نہیں اور دین مقصود بالذات ہے۔ اول تو دین کا علم حاصل کر کے بقدر ضرورت دنیا بھی ملتی ہے اور وہ بھی عزت اور راحت کے ساتھ لیکن اگر بالفرض نہ بھی ملے تو چونکہ دین خود مقصود بالذات ہے اس لئے حسرت نہیں ہوتی بخلاف انگریزی کے کہ اس سے مقصود ہی دنیا ہوتی ہے اور وہ آج کل اکثر نہیں ملتی تو وہاں سوائے حسرت کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور ہمارا تو امتحان نہیں ہوا۔ اہل اللہ کے تو بڑے بڑے امتحان ہوئے ہیں فقر و فاقہ میں جیسے وہ خوش رہتے تھے کوئی دنیا دار رہ نہیں سکتا۔

فرمایا کہ عقلوں میں تفاوت فطری ہوتا ہے۔ میں عقل کی کمی پر مواخذہ نہیں کرتا۔ لیکن شکایت جو کچھ ہے وہ بے فکری کی ہے۔ لوگ فکر ہی سے کام

نہیں لیتے۔ بے فکری پر مواخذہ ہے۔ اگر فکر سے کام لیں تو اول تو بہت کم غلطیاں ہوں اور اگر ہوں تو وہ ناگوار نہ ہوں کیونکہ جب میں کسی کے اندر فکر اور اہتمام محسوس کر لیتا ہوں تو پھر جو غلطی بوجہ کی عقل کے ہوتی ہے اس میں اس کو میں معذور سمجھ لیتا ہوں لہذا ناگواری پیدا نہیں ہوتی گو تکلیف پہنچے۔ زیادہ اذیت تو بے فکری اور عدم اہتمام سے ہوتی ہے۔

ایک صاحب بیعت کی غرض سے سفر کر کے تشریف لائے۔ فرمایا اس کے لئے سفر کی ضرورت نہ تھی۔ یہ معاملہ تو خط کے ذریعہ سے طے ہو سکتا تھا اور اب بھی خط ہی کے ذریعے سے طے ہو گا۔ لہذا آنا بیکار ہوا۔ اگر مجھ سے پوچھ لیتے تو میں اس غرض کے لئے سفر کی ہرگز اجازت نہ دیتا۔ اب یہ غرض تو آپ کی پوری نہ ہوگی پھر یہاں رہنے کے متعلق کیا رائے ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں ابھی کچھ دن ٹھہروں گا فرمایا کس غرض سے؟ عرض کیا بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے فائدہ ہوتا ہے فرمایا کہ میں تو بزرگ نہیں ہوں۔ عرض کیا کہ میرے خیال میں تو آپ بزرگ ہیں فرمایا کہ مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔ کہا سچا۔ فرمایا تو بس میں کہتا ہوں کہ میں بزرگ نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے کہا کہ عالم کی صحبت میں بیٹھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس پر بھی فرمایا کہ میں عالم بھی نہیں ہوں کیونکہ دو چار کتابیں درسیات کی پڑھ لینے سے کوئی عالم تھوڑا ہی ہو جاتا ہے۔ عالم تو ایسے ہوتے ہیں جیسے مولانا انور شاہ صاحب تھے یہ سن کر وہ صاحب چپ ہو گئے تو فرمایا کہ شہرے کی کوئی معقول غرض بتاؤ پھر بھی وہ صاحب خاموش رہے فرمایا کہ اگر خود کوئی معقول غرض نہیں بتا سکتے تو کسی سے پوچھ کر آؤ۔ وہ پھر بھی بیٹھے رہے تو فرمایا کہ جاؤ اٹھو کہنے کے خلاف نہیں کیا کرتے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے۔

پھر حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں حقیقتیں ظاہر ہوں لوگ رسم پرستی میں مبتلا ہیں۔ یہ کوئی بات مجھ سے کہنے کی تھی کہ آپ کو میں بزرگ سمجھتا ہوں اس لئے ٹھہروں گا۔ اگر اس غرض سے ٹھہرنے کی میں

اجازت دیدوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں اپنے آپ کو واقعی بزرگ سمجھتا ہوں حالانکہ اول تو میں بزرگ نہیں اور اگر تھا بھی تو لوازم میں سے بزرگ ہونے کے یہ سمجھنا ہے کہ میں بزرگ نہیں ہوں۔ لیکن یہاں ایک کام کی بات بتاتا ہوں کہ اپنے کو بزرگ نہ سمجھنا تو بزرگ ہونے کے لئے ضروری ہے لیکن جو اپنے آپ کو بزرگ نہ سمجھے اس کا بزرگ ہونا ضروری نہیں یعنی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنا تو مستلزم نہیں ہے بزرگی کو لیکن بزرگی مستلزم ہے اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے کو۔ بہت سے غیر بزرگ ایسے ہیں کہ اپنے کو بزرگ نہیں سمجھتے تو اس سے وہ بزرگ تھوڑا ہی ہو جاتے ہیں۔ اگر تم مجھے بزرگ سمجھتے ہو سمجھو مجھ سے کیوں کہتے ہو۔ چاہے بزرگ سمجھو چاہے فاسق سمجھو مگر اطلاع کیوں کرو۔ اگر فاسق سمجھتے ہو سمجھو مگر اطلاع نہ کرو کیونکہ اس سے بھی اذیت ہوگی اسی طرح بزرگ سمجھتے ہو سمجھو مگر اس کی بھی اطلاع نہ کرو کیونکہ اس سے دوسری قسم کی اذیت ہوگی۔ سیدھی بات یہ کہنی چاہئے تھی کہ اس لئے ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ کوئی کام کی بات کان میں پڑ جائے سو اس کے لئے نہ عالم ہونے کی ضرورت نہ بزرگ ہونے کی۔ بعض فساق و فجار اور جاہلوں سے بھی کام کی باتیں سننے میں آ جاتی ہیں چنانچہ ایک عامی جاہل شخص سے ایک ایسی بات میں نے سنی تھی جواب تک قلب میں نقش کئے ہوئے ہے۔

تحریکات کا زمانہ تھا۔ ریل کے سفر میں لوگوں میں کچھ اسی قسم کی گفتگو آپس میں ہو رہی تھی تو ایک شخص نے جو نہ عالم تھا نہ بزرگ، خلاصہ کے طور پر کیا اچھی بات کہی کہ بھائی ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ایک رہو اور نیک رہو یعنی متحد رہو اور حدود شرعیہ کے اندر رہو۔ سبحان اللہ کیسی اچھی بات کہی اور کیسے اچھے الفاظ میں کہی۔ بعد کو ان صاحب نے غالباً کسی سے سن کر یا از خود اگر یہی عرض کیا کہ میں اس لئے ٹھہروں گا کہ کوئی کام کی بات کان میں پڑ جائے اس پر حضرت نے فرمایا کہ بس اب ہیل بات کہی شوق سے رہو۔

ایک خط کا مضمون پڑھ کر سنایا اور جو اس کا جواب حضرت نے تحریر فرمایا تھا وہ بھی سنایا۔ اور فرمایا کہ یہ جواب ان کی مرضی کے موافق تو نہ ہو گا لیکن ان کے مرض کے موافق ہو گا۔ یہاں سے جو کسی کے خط کا جواب جاتا ہے وہ مرضی کے موافق نہیں ہوتا مرض کے موافق ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کا واقعہ ہے۔ وہ سلطنت چھوڑ کر مکہ معظمہ چلے گئے۔ اپنے ایک بچے کو وہیں چھوڑ گئے تھے ان کی قبر بھی مکہ معظمہ میں ہے (شیخ محمود کے نام سے مشہور ہیں) وہ بڑے ہو کر حج کو چلے۔ خیال تھا کہ اپنے باپ کو بھی تلاش کر سگے وہ طواف کرنے گئے تو حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ بھی طواف کر رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کو پہچانا نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم ان کے بچپن ہی میں ہجرت کر کے اور ان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ وہ حسین جمیل بھی تھے شہزادے بھی تھے۔ شاہانہ لباس میں اور بھی اچھے معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیم کو قدرتی طور پر ان کی طرف کشش ہوئی بار بار ان کی طرف نظر کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر معتقدین سمجھے کہ آج شیخ کو لغزش ہوئی اس نوجوان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں۔ غرض بدگمانی ہوئی۔ یہ کسے خبر تھی کہ بیٹے ہیں۔ اب چاہے شیخ کو مکشوف ہو گیا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے یا مکشوف نہ بھی ہوا ہو تو چونکہ محل تھا حلال۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی ہونیت کی۔ غرض بعد طواف جب ملے تو معلوم ہوا کہ بیٹے ہیں۔ سب سے اول دریافت فرمایا کہ تمہارا دین کیا ہے۔ انہوں نے کہا اسلام فرمایا۔ الحمد للہ۔ پھر پوچھا قرآن پڑھا ہے؟ حدیث پڑھی ہے؟ فقہ پڑھا ہے؟ سب کا جواب اثبات میں ملا تو بہت خوش ہوئے۔ معلوم ہوا کہ متقی شخص ہے۔ پھر تو سینہ سے لگایا دعائیں دے دے اگر کوئی بات خلاف شرع یا خلاف طبع مثلاً وضع قطع وغیرہ دیکھتے تو رخ بھی نہ کرتے۔ تو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ فعل مباح سے بھی اوروں کو شبہ ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ پر ان کے معتقدین کو شبہ ہو گیا کہ ایک حسین نوجوان کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ

ان کو ایسا شبہ نہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ اباحت کا محل بہت قریب تھا۔
یہ تو مرید کے لئے حکم ہے۔ اور پیر پر بھی واجب ہے کہ بلا ضرورت کوئی
ایسا فعل نہ کرے جس سے مرید کو شبہ ہو خلاف شرع ہونے کا۔ دلیل یہ ہے کہ
ایسی احتیاط حدیث سے ثابت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہمیں کیا چاہے کوئی معتقد رہے چاہے بد اعتقاد ہو
جائے۔ اس کی فکر ہی کیوں ہو کہ سب ہمارے معتقد رہیں۔ واقعی اس کا اہتمام تو
نہیں چاہئے کہ سب ہمارے معتقد رہیں لیکن اس کا اہتمام ضروری ہے کہ
بلا ضرورت ایسا کام نہ کرے جس سے خلاف شرع ہونے کا شبہ ہو اور دو سرے
لوگ سوء ظن و غیبت و بہتان کے گناہ میں مبتلا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ
حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور اعتکاف میں تھے تو زیارت کے لئے
حاضر ہوئی تھیں۔ وہ حضور کے پاس بیٹھی تھیں کہ اتنے میں دو صحابی سامنے سے
گذرے۔ حضور نے ان کو روکا اور فرمایا علی رسلکما یعنی ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر
حضرت صفیہ کو گھر میں بھیج دیا اور ان دونوں کو بلایا کہ آجاؤ۔ جب آگئے تو فرمایا
کہ یہ صفیہ تھیں۔ یہ میری بی بی تھیں۔ صحابہ کو بہت گرانی ہوئی عرض کیا تو بہ تو بہ
یا رسول اللہ۔ ہم بھلا حضور پر کوئی شبہ کر سکتے ہیں۔ فرمایا یہ شیطان انسان کے اندر
اس طرح دوڑا دوڑا پھرتا ہے جیسے خون دورہ کرتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں
تمہارے دل میں وسوسہ نہ ڈال دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کام نہ کرے جس میں دیکھنے والے کو کوئی قوی
شبہ پڑنے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ ایسی ویسی معمولی باتوں میں بھی کسی کو شبہ ہو تو اسکی
ایسی تیمی۔ لیکن یہ وہ کام نہیں جو مرید کے کرنے کا ہو، یہ پیر کے کرنے کا کام
ہے۔ البتہ جو مقتدانہ ہو اور غلبہ حال سے مفسد کی طرف اس کو التفات نہ ہو تو
کچھ پروا نہیں۔

جیسے احمد جام فرماتے ہیں۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد شد شد

فرمایا کہ آج کل کسی کو خاص بنانا باعتبار نتائج کے بہت ہی برا ہے اس میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اور اہل تعلق کو رنج ہوتا ہے کہ ہم سے خصوصیت نہیں۔ دوسری خرابی خود اس کے حق میں یہ ہے کہ اور لوگ اس کے اضرار کے درپے ہو جاتے ہیں۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگ اس کو واسطہ حاجات کا بناتے ہیں جس سے اس کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ غرض بہت خرابیاں ہیں۔ اس لئے کسی کو مخصوص نہ بنانا چاہئے نہ کسی کو مخصوص بننا چاہئے بس خادم رہنا چاہئے۔

فرمایا اکثر اطباء علاج میں صرف مرض کا خیال کرتے ہیں مریض کا نہیں۔ شخصی حالات یا زمان و مکان کے اختلافات پر بہت کم نظر جاتی ہے۔ حضرت کے ہاں روحانی معالجہ میں دونوں باتوں کا پورا لحاظ رہتا ہے۔ مثلاً کم خوری کم خوابی یا دیگر ریاضیات شاقہ وغیرہ کو غالباً اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بالعموم ترک ہی فرمادیا ہے۔ اذکار و اشغال وغیرہ تمام چیزوں میں طبیعت کی مناسبت اور برداشت خاص خیال فرماتے ہیں زیادہ زور احکام پر ہے تشخیص مرض اور نفس شناسی میں حضرت کی حذاقت حیرت انگیز ہے کسی ماہر نفسیات (علم النفس) کی نگاہ وہاں کیا گماں جہاں حضرت کی پہنچتی ہے۔

ایک صاحب نے بعض امور کی نسبت عرض کیا کہ ”سینکڑوں مرتبہ ان کے ارادہ کیا اور ہر بار یہ ارادہ ٹوٹتا رہا حتیٰ کہ اب ارادہ کرنے کا بھی جی نہیں چاہتا“ جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”بے جی چاہے ہی کرنا چاہئے وہ خاں نہیں جاتا اللہ نے کس وقت اس کے اثر کا ظہور ہو جائے“، یقین فرمائیے کہ الحمد للہ اس سے ہمت میں تازہ جان پڑ گئی۔

عادات و اخلاق میں سب سے نمایاں وصف بے تکلفی اور ضبط و انتظام ہے محض تکلف یا عام رسم و رواج کی خاطر کوئی ایسی بات نہ پسند فرماتے ہیں۔ اور نہ اختیار فرماتے ہیں جو اپنے یا دوسرے کیلئے بار خاطر یا حقیقی نفع کے منافی ہو۔ تکلف میں سراسر تکلیف کے باوجود لوگ اسی کو ”خوش اخلاقی“ سمجھتے ہیں حضرت کو اس ”خوش اخلاقی“ سے نہ صرف بالطبع بعد معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر صورتوں میں تعلیم و تربیت کے مصالح بھی اس کے متقاضی نہیں ہوتے لیکن لوگ چونکہ عام طور سے تکلف و تصنع ہی کے عادی و طالب ہو گئے ہیں اس لئے حضرت کی معاشرت میں بعض باتیں نامانوس نظر آتی اور غلط فہمی کا باعث بن جاتی ہیں۔

یہی صورت پابندی اوقات کی بھی ہے کہ عام طور سے ہر کام کا وقت بندھا ہوا ہے اس میں اپنے اور دوسروں سب کیلئے جو کثیر منافع ہیں ان سے کون انکار کر سکتا ہے۔ تصنیفات و تالیفات کی سینکڑوں تک تعداد۔ خانقاہ کے مقیموں اور باہر سے حاضر ہونے والوں کو بلا ناغہ دو وقت کی مجلس میں چار پانچ گھنٹے مستقلاً استفادہ کا موقع روز کے روز تمام خطوں کا جواب جن کا اوسط پندرہ بیس رہتا ہو گا یہ سب اسی پابندی اوقات اور انتظام کی برکات ہیں۔

انگریزی دانوں کے لئے :

بظاہر اس کا گمان بھی نہ ہونا چاہئے کہ حضرت کے تصفیعی سرمایہ ”انگریزی دانوں“ نے خیال والوں کیلئے بھی کچھ ہو گا لیکن یہی نہیں کہ تحریروں میں مثلاً ”الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الحدیدہ“ اس طور سے ان کا خیال فرمایا گیا ہے بلکہ اس جماعت کے جن افراد میں طلب ہے ان سے درخواست ہے کہ کچھ دن حضرت کی کتابوں (مبتداء میں مواعظ) کو خود حضرت ہی کے مشورہ سے پڑھیں۔ پھر دیکھیں کہ راہ یاب ہی نہیں انشاء اللہ بچے رہ رہی بن سکیں گے۔ اور صرف شک و شبہ کا زائل ہی

نہیں بلکہ دین کا ذوق اور ایمان کی لذت حاصل ہوگی۔ اور اگر کہیں اس کے ساتھ حضرت کی خدمت میں کچھ زیادہ حاضری کی سعادت نصیب ہو سکے تو نور علی نور۔

ایک بار حضرت والا کسی سلسلہ کلام میں یہ فرما رہے تھے کہ باطنی مقام سے محرومی اچھی بہ نسبت اس کے کہ خلاف شریعت ہونے کا اندیشہ ہو۔ سالک کو چاہئے کہ جو حالت قرآن و حدیث پر منطبق نہ ہو اس سے درگزر کرے مثلاً ہم نے اعلیٰ درجہ کا دودھ برف ڈال کر رکھا لیکن شبہ ہو گیا کہ اس میں سے کچھ دودھ سانپ اگر پی گیا ہے تو اسلم یہ ہے کہ اس دودھ ہی کو چھوڑ دے۔

ایک طالب نے بذریعہ عریضہ فارسی بغرض حفاظت بندوق رکھنے کی اجازت طلب کی حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ ”دور اجازت گرفتن از من چه مصلحت ست“۔ انہوں نے لکھا کہ قبل انیس مریض کبرو زیر علاج حضرت بودم بندوق آلہ کبر ہم معلوم می شود اہ اس پر یہ جواب تحریر فرمایا مگر آلہ مستلزم فعل نیست چنانچہ آلہ زنا نزد ہر کس ہست و قطعش واجب نیست۔ اھ۔

ایک شخص نے لکھا کہ حضور کے زجر نے بڑا فائدہ دیا۔ یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ شہوت کا ہونا مرض نہیں بلکہ نہ ہونا مضر ہے اور ساتھ ہی حرص شہوت بھی کم ہو گئی۔ فرمایا کہ لوگ اخلاق کو لئے پھرتے ہیں دیکھئے جس کو وہ میری بد اخلاقی سمجھتے ہیں اس میں یہ منافع ہیں۔ حقیقت بھی واضح ہو گئی اور جتنا حصہ اس شہوت کا مرض تھا وہ بھی زائل ہو گیا۔ اگر عرفی اخلاق برتے جاتے تو اس کی ایسی مثال ہوتی کہ ہاتھ میں مادہ فاسد پیدا ہو گیا لیکن صرف مرہم ہی لگاتے رہے مادہ اندر ہی اندر بڑھتا رہا حتیٰ کہ آخر میں ہاتھ کا ٹاپڑا۔ شروع میں ہی آپریشن کر دیا جاتا تو یہ نوبت نہ آتی کسی خاص موقع پر نرمی کے برتاؤ سے دین کا نقصان ہوا تو یہ ہاتھ پاؤں کٹنے سے بھی زیادہ ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں جیسا بھی ہوں سب کو معلوم ہو جائے۔ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ پھر جس کا جی چاہے رہے جس کا جی چاہے

جائے۔ مجھ سے تو اب اپنا طرز بدلا جاتا نہیں۔ خاص کر جب میں نفع بھی دیکھ رہا ہوں اس طرز کا۔ اگر میں عربی اخلاق برتوں تو اس میں مجھی کو راحت ہے مگر یہ خیانت ہے۔ طبیب ہو کر کوئی راحت ڈھونڈھے کہ کون نبض میں غور کرے کون کتابیں دیکھے تو وہ طبیب نہیں کھائے ہے، چور ہے، ڈاکو ہے۔ میں تو لوگوں کی آنکھیں کھولنا چاہتا ہوں اس وقت چاہے ناگوار ہو لیکن خط و کتابت کر کے دیکھیں تھوڑے دن ہی میں کہیں گے

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرابا جان جان ہراز کردی

ایک صاحب نو وارد تھے۔ ان سے حسب معمول ضروری باتیں مثلاً نام شغل وغیرہ پوچھ کر سفر کی غرض دریافت کی۔ کہا فیض زیارت۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگے کہ ایک بات بھی کہنی ہے فرمایا کہ اب میں نہیں سنتا پہلے بے فکر کر دیا اب پھر کچھ شروع کر دیا اچھا یہ بتلاؤ کہ جب میں نے پوچھا تھا اسی وقت کیوں نہیں کہہ دیا۔ کہا بھول گیا تھا فرمایا بھول گئے تھے تو بس بھول ہی میں رہو۔ جب ایک بات کہنے کی نیت کر کے گھر سے چلے تھے پھر بھولنا کیسا۔ مگر بس وہی رسم پرستی کہ ایک دم سے سب باتیں کیسے کہہ دیں۔ بس لوگ مجھے اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ میں بھلا کیسے ان کا تابع بن جاؤں۔ جو طبیب مریض کا تابع بن جائے وہ طبیب نہیں ڈاکو ہے۔

عَلَّ تَقْسِ دَائِقَةُ الْمَوْتِ

موت سے پہلے، موت کے وقت اور موت کے بعد کے ضروری مسائل

احکامِ ممیت

مسلمان کے آخری لمحات زندگی سے لے کر عالم برزخ
تک تمام مراحل سے متعلق احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ
وسلم) اور فقہی مسائل کا نہایت مفصل اور محقق مجموعہ

تالیف

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مراجعة و حواشی مفیدہ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
۴۳۷- ڈی گارڈن ایسٹ نزد لیبیلہ چوک کراچی نمبر ۵